تصویر افکار

مصر

غزلیات کیفی حیدرآبادی



محمد سردار علی

۱۹۲۷ء

سلسلہ ناشرات "بزم ادب"
نمبر (۴)

تصویر افکار

دو حصے

(۱) لمعات کیفی (۲) تجلیات کیفی

حضرت سید رضی الدین حسن کیفی حیدرآبادی کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ غزلیات کا مجموعہ

جامع

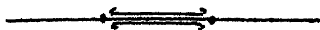
محمد سردار علی

مؤلف تذکرہ یورپین شعرائے اردو ـ تذکرہ شعرائے اورنگ آباد ـ کلام کیفی وغیرہ

باہتمام
مولوی غلام محمد صاحب معتمد کتب خانہ مسجد چوک حیدرآباد
ناشر
کتب خانہ بزم ادب (عقب مسجد چوک)
۱۳۴۶ھ

قیمت

فہرستِ مندرجات



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

آج سے ٹھیک ایک سال پہلے ناشرات "بزم ادب" کے سلسلہ میں حضرت کیفی حیدرآبادی کا ادبی و اخلاقی کلام **کلام کیفی و نظم کیفی** کے نام سے شائع کیا گیا تھا جو ملک میں بیحد پسند کیا گیا اور ارباب ذوق نے اس کی امید سے زیادہ قدر افزائی فرمائی اب اسی حوصلہ افزائی کی بنا پر کیفی مرحوم کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ غزلیات کا مجموعہ "**تصویر افکار**" کے نام سے علم نواز اصحاب کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس مجموعہ میں جو غزلیات درج ہیں اس کا بیشتر حصہ غیر مطبوعہ کلام پر مشتمل ہے جو کیفی مرحوم کے احباب و شاگردوں کے پاس سے بڑی تلاش و کوشش سے فراہم کیا گیا ہے۔ اس کو کلام کیفی و نظم کیفی سے کوئی تعلق نہیں یہ بالکل ایک نئی چیز ہے۔

کتب خانہ "**بزم ادب**" کے قیام کے اغراض و مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ملک کے مستند و باکمال شعراء کا کلام شائع کرے لہذا اس سلسلہ میں دکن کے دیگر اساتذہ کا کلام جو گوشہ گمنامی میں پڑا ہوا تلف ہو رہا ہے سلسلہ شائع کیا جائے گا۔

آخر میں ان تمام اصحاب کا جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب میں مدد دی ہے شکریہ ادا کرتا ہوں اور بالخصوص کیفی مرحوم کے ایک عزیز شاگرد کا بہت مشکور ہوں جنھوں نے اس کتاب کے لئے بہت کچھ غیر مطبوعہ کلام فراہم کیا۔

بازار گھانسی حیدرآباد دکن
۳۰ ڈسمبر ۱۹۲۶ء

خاکسار
محمد سردار علی

عکس خط حضرت کیفی مرحوم[۴]

یہ عبارت اس موقع کی ہے جبکہ آپ نے حیدر آباد سے سکندر آباد جاتے ہوئے ایک شاگرد کی نظم میں اصلاح کرکے اس نوٹ کے ساتھ واپس فرما دیا تھا۔

[illegible]

حضرت کیفی (حیدرآبادی)

کیفی حیدرآبادی ملک کے مایۂ ناز شاعر تھے جن کا نام تاریخ ادبیات اردو میں سنہری حرفوں میں لکھا جائیگا۔ ادب اردو کے اس جامع الکمال ہستی کے حالات زندگی بیان کرنے، شاعری پر تفصیلی نظر ڈالنے اور شعری پیداوار کی حقیقی عظمت کو بے نقاب کرنے کے لئے یہ مختصر صفحات قطعاً کافی نہیں ہیں اس کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ یہاں سرسری طور پر کیفی مرحوم کے حالات اور ان کی شاعری کا تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

ابو الرضا کنیت سید رضی الدین حسن نام قطب میاں عرف کیفی تخلص ہے والد کا نام سید نظام الدین صاحب ہے کیفی حیدرآباد میں پیدا ہوے اور یہیں نشو و نما پایا سنہ ولادت معلوم نہ ہو سکا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کے زیر سایہ ایک خانگی مکتب میں حاصل کی اور بعد میں مدرسہ دار العلوم سرکار عالی میں شریک ہوئے جو اس زمانہ میں علوم مشرقیہ کی تعلیم کا سب سے بڑا مدرسہ تھا مدرسہ کے لائق اساتذہ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب بیدل مولانا تاج الدین صاحب مولانا عبد القدیر صاحب ہمیشہ آپ کی محنت اور ذہانت کی تعریف کرتے ہوئے

کہ یہ مضمون حیات کیفی - دیباچہ کلام کیفی - کیفی مرحوم از حیدرآباد دکن (مطبوعہ رسالہ تجلی) اور تنقیدی مقالات (مضمون کیفی حیدرآبادی) سے ماخذ ہے ۱۲

تعلیم سے کنارہ کش ہو کر کیفی نے ملازمت کا ارادہ کیا کچھ دن علاقہ نظمِ جمعیت میں اور اس کے بعد صیغہ تعلیمات میں ملازمت اختیار کی آخر عمر میں آپ کا تعلق سررشتہ تالیف و ترجمہ سے ہو گیا تھا کیفی کی فارسی عربی لیاقت بہت اچھی تھی فارسی میں بے تکلف شعر کہتے تھے چنانچہ فارسی میں آپ ادیب لاثانی مولانا جمال الدین صاحب نوری مرحوم و مغفور پروفیسر نظام کالج کے شاگرد تھے[1]

آپ نے اعلیحضرت غفراں مکاں کے جشن سالگرہ چہل سالہ کی تقریب میں ۱۳۲۳ھ میں ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جس کا تاریخی نام جشن عشرت ہے خود اس کے مالک و اڈیٹر تھے آپ نرے شاعر ہی نہیں بلکہ نثر نگار کی حیثیت سے بھی آپ حیدرآباد کے مشہور ادیبوں میں سے ہیں نظم کی طرح آپ کو نثر لکھنے میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔ آپ کے نثر مضامین ادبی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں آپ بڑی قابلیت کے ساتھ رسالہ صحیفہ کو ایڈٹ کرتے تھے یہاں کی علمی و معاشرتی تحریکات میں اپنے مضامین کے ذریعہ روح رواں کا کام کیا ہے بالآخر آپ نے رسالہ صحیفہ کو انجمن معارف چادرگھاٹ کے سپرد کر دیا مولوی اکبر علی صاحب معتمد انجمن مذکور (موجودہ مدیر صحیفہ) نے رسالہ کی عنان ادارت اپنے ہاتھ میں لی رسالہ کی بنیاد ایسے نیک ہاتھوں سے رکھی گئی تھی کہ آج وہ ترقی کر کے ایک موقر روزانہ اخبار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

---

[1] کیفی مرحوم کا فارسی کلام بھی "ناشرات بزم ادب" کے سلسلہ میں عنقریب طبع ہو کر شائع ہوگا۔

کیفی مرحوم کی وفات کا واقعہ بھی اچانک طور پر پیش آیا۔ ۱۳۴۸ء میں خواجہ غریب نواز کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے عرس کے موقع پر اجمیر گئے تھے جہاں آپ نے یکایک ۱۲ رجب کو انتقال فرمایا وہیں سپرد خاک کئے گئے اجمیر میں آپ کا مزار درگاہ خواجہ غریب نواز کے قریب تاڑہ گڑھ کے نیچے واقع ہے آپ کی وفات سے حیدرآباد کی ادبی دنیا کو سخت صدمہ پہنچا آپ کی وفات دنیائے شاعری کے بہت بھاری نقصان سے تعبیر کی جاتی ہے

کیفی مرحوم نے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں یادگار چھوڑی ہیں فرزند کا نام سید شمس الدین عرف سید بادشاہ تخلص علم ہے علم بھی اچھے شاعر ہیں کلام میں رنگینی و لطافت ہے۔

تصانیف میں ایک کلیات ہے جو جملہ اصناف سخن پر مشتمل ہے ایک دیوان بے نقط ہے جس میں اپنا تخلص مرحوم استعمال کیا ہے سفرنامہ ابراہیم بیگ (فارسی) کا اردو ترجمہ بھی آپ کی یادگار ہے۔

حیدرآباد دکن میں کیفی مرحوم کے تلامذہ اور احباب کا دائرہ بہت وسیع تھا جس طرح آپ ایک زبردست شاعر تھے اسی طرح آپ زبردست شخصیت بھی رکھتے تھے کیفی نے شعر و سخن کے ذریعہ حیدرآباد کے نوجوان دماغوں کی جو تربیت کی اور اپنے کلام سے ان کے قلوب کو جو متاثر کیا یہ چیز بجائے خود کیفی کی شخصیت اور اثر کا ثبوت ہے آپ کے تلامذہ میں بعض اچھے اور بہت اچھے شاعر ہیں جن میں سے حکیم محمود علی صاحب

صفی اورنگ آبادی ۔ ریاض الدین صاحب ریاض ۔ قادر محی الدین صاحب باطن
تاج الدین خاں صاحب مفید ۔ احمد سعید صاحب حامد ۔ عبدالطاہر صاحب طاہر
سید یوسف علی صاحب راغب ۔ یاور علی صاحب یاور قابل ذکر ہیں۔

کیفی مرحوم کے مختصر حالات زندگی بیان کرتے کے بعد اب آپ کی شاعری کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جو آپ کی زندگی کا اصلی کارنامہ ہے کیفی مرحوم کو شعر و سخن کا مذاق فطرتی تھا۔ اوائل عمر ہی سے شعر گوئی شروع کی۔ ابتداء میں حضرت شمس الحق سجاد علی صاحب بیکش تھانوی کے اور بعد میں جہاں استاد داغ دہلوی مغفور کے شاگرد ہوئے تھوڑے دن کی مشق نے آپ کے کلام کو چمکا دیا آپ کی شاعری اکتسابی نہیں تھی طبیعت فطرتاً سلیم واقع ہوئی تھی سادگی اور بیساختہ پن ہمیشہ آپ کے کلام کا طرۂ امتیاز رہا۔ دور از کار تشبیہوں اور لایعنی پرشکوہ الفاظ سے آپ کا کلام ہمیشہ پاک رہا۔ شعر کی بڑی خوبی یہ سمجھی جاتی ہے کہ ادھر قائل کے منہ سے نکلا اور اُدھر سامع کے دل میں اتر گیا۔ یہی کیفیت کیفی مرحوم کے کلام میں پائی جاتی ہے محاورات اور روزمرہ کا استعمال اپنے کلام میں اس عمدگی سے کیا ہے جس سے طرز بیان میں جدت اور نرالا پن پایا جاتا ہے۔ آغاز ہی سے اپنے کو قافیہ کا پابند نہیں بنایا بلکہ قافیہ کو اپنا پابند رکھا۔ جس عمدگی و خوبی کے ساتھ قافیہ کو مکرر سہ کرر باندھا ہے اس سے روانی طبع کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کیفی مرحوم کو جذبات نگاری میں خاص قدرت حاصل تھی آپ کا کلام

جذبات عالیہ کا ایک خزانہ ہے جس میں دُرفشانی کا جلوہ قابل دید ہے ایک ایک شعر سے قادر الکلامی اور استادی ٹپکتی ہے حقیقی حیات اور واردات قلبیہ کو وہ دلفریب انداز کے ساتھ نظم کیا ہے کہ جس سے ایک ایک شعر پیکاں زہر آلود بن گیا ہے۔

کیفی اُردو کے ایک اول درجہ کے شاعر تھے ان کا کلام خزانۂ اُردو میں ایک گراں بہا اضافہ ہے آپ کا کلام مطالب و معنی کے لحاظ سے ایک وسیع کائنات پر مشتمل ہے اس پر تفصیلی تبصرہ کرنا ان محدود صفحات میں ناممکن ہے۔ کیفی کی شاعری قصیدہ، غزل، رُباعی، مُسدس، مخمس، ترکیب بند، غیر مقفیٰ نظموں اور ہر قسم کے شعری جواہر پاروں سے مالا مال ہے۔

کیفی اپنی قدیم طرز کی شاعری میں جن خصوصیات کے لحاظ سے استاد داغ کے ہم رنگ ہیں ان میں سب سے پہلے خصوصیت زبان اور اسلوب بیان کی خوبی ہے وہ دہلی کی ٹھیٹھ زبان استعمال کرتے تھے اور اپنے استاد کی طرح محاورہ اور روزمرہ کے برمحل استعمال کا التزام کرتے تھے اس خصوصیت میں ان کا کلام داغ کے کلام سے اس قدر مشابہ ہے کہ اکثر وقت ان کے اشعار پر داغ کے اشعار کا شبہ ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ کیفی جو اہل دہلی کے صحیح صحیح محاورہ روز اور روزمرہ کا التزام کرتے ہیں دکن کے بعض مخصوص الفاظ

اور ضرب المثلیں بھی بے دھڑک استعمال کر جاتے ہیں کیفی کی شاعری رنگینی اور شوخی میں استاد داغ سے کم نہیں ہے کیفی کے کلام کی اصلی خصوصیت معاملہ بندی اور سلاست بیان ہے ان کے کلام میں بیساختگی اس درجہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والے کو اس کا خاص لطف حاصل ہوتا ہے ۔

کیفی کے عہد میں جو اردو رسائل اپنے علمی و ادبی ماحول کے نمایندے تھے ۔ اور جن میں کیفی کا کلام شائع ہو کر ملک کے علمی طبقہ سے خراج تحسین حاصل کرتا تھا ان میں سے بعض نام یہ ہیں ۔ ادیب مرتبہ مولوی ظفریاب خاں افادہ مرتبہ مولوی ناظر الحسن ہوش بلگرامی ۔ تزک عثمانی ۔ دبدبہ آصفی ۔ محبوب کلام ۔

اگر آئندہ کسی مورخ کو معلوم کرنا ہو کہ کیفی کے عہد میں حیدر آباد میں کون کون سی قابل ہستیاں تھیں اور کیفی کے معاصرین و یاران طریقت کون تھے تو اسکو کیفی کے کلام کا مطالعہ کرنا بھی نہایت ضروری ہے ذیل میں ان اصحاب کے اسماء گرامی درج کیے جاتے ہیں جو کیفی مرحوم کے ہمعصر تھے ۔

مولانا جمال الدین نوری ۔ ملا عبد القیوم ۔ مولوی عبد القدیر صدیقی ۔ مولوی علامہ نجم فہیم ۔ مولانا سید اشرف شمسی ۔ نواب مرزا داغ دہلوی ۔ علامہ شبلی نعمانی ۔ مولوی حمید الدین ۔ علامہ سید علی شوستری طوبی ۔ آغا شاعر دہلوی ۔ ڈاکٹر الما لطیفی ۔ علامہ علی حیدر طباطبائی ۔ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی ۔ مسٹر سید راس مسعود ۔ مولوی حبیب الدین ۔ مولوی فخر الدین احمد خان

مولوی فضل محمد خاں ۔ پروفیسر عبدالرحمن خاں ۔ نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز
نواب عزیز جنگ ولاؔ ۔ میرزا درعلی برترؔ ۔ مفتی نور الضیاء الدین ۔ مولوی نجم الدین
ثاقب بدایونی ۔ قاضی صدیق احمد فہیمؔ ۔ مولوی محمد علی ناظمؔ ۔ حکیم نوازش علی
منتؔ ۔ نوازش علی لمعہؔ ۔ مولوی وحید الدین عالیؔ ۔ نواب فصاحت جنگ بہادر
جلیلؔ ۔ نواب اختر یار جنگ بہادر اخترؔ مینائی ۔ مولوی قطب الدین محمود علی
فاضلؔ ۔ ملا عبدالباسط ۔ مفتی اعظم علی شایقؔ ۔ مولوی احمد حسین امجدؔ ۔ مولوی
منتجب الدین تجلیؔ ۔ مولوی قطب الدین تسلیؔ ۔ مولوی عبدالحی بازغؔ ۔ مولوی
شیخ محفوظ علی محفوظؔ ۔ مولوی عبدالواسع صفاؔ ۔ مولوی غلام مصطفیٰ ذہینؔ ۔

کیفی مرحوم کے کلام نے اس وقت کے جن علمی اور معاشرتی جلسوں میں گرمی پیدا کی اور بہت حد تک ان جلسوں کو اپنے مقاصد میں کامیاب بنانے کی تحریک میں رُوحِ رواں کا کام کیا ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :۔

دارالعلوم ۔ نظام کالج ۔ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس ۔ انجمن ثمرۃ الادب
انجمن ہلالِ احمر (جنگ بلقان) جلسۂ یادگار نواب فضیلت جنگ مرحوم ۔
انجمن معین المسلمین ۔ جلسۂ قرض حسنہ ۔ انجمن اصلاح چنگو پہ ۔ انجمن افتخار دکن
انجمن معارف ۔ اقبال کلب ۔ جلسۂ افتتاح مدینہ ریلوے ۔ جلسۂ تعزیتِ ڈاکٹر
اگھورناتھ ۔ جشن میلاد النبی سکندرآباد وغیرہ ۔

کیفی مرحوم کے کلام کی حقیقی عظمت اور عام قبولیت کا اندازہ اس سے

کیا جا سکتا ہے کہ کیفی مرحوم کا کلام جن کا انتظار شایقین ادب نہایت بے چینی اور اشتیاق سے کر رہے تھے جب کتب خانہ بزم ادب حیدرآباد کی زیر سرپرستی شایع ہوا تو لوگوں نے بیحد شوق کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ سیکڑوں نسخے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے جس سے شایقین ادب کی پیاس بجھ گئی۔ کارپردازان بزم ادب کی یہ کوشش بہت قابل تعریف ہے کہ کیفی مرحوم کے اخلاقی۔ ادبی اور تاریخی کلام سے ملک کو روشناس کرادیا اور اس سے عوام میں جو کلام کیفی کے دیکھنے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی وہ بہت کچھ دور ہو گئی۔

آخر عمر میں کیفی مرحوم نے قومی نظموں کی طرف توجہ کی تھی اس خصوص میں بھی ان کا کلام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حیدرآباد کے قومی او علمی جلسوں میں آپ کی نظمیں، ولولہ اور ہیجان پیدا کر دیتی تھیں اور ان میں وہ اثر اور سوز و گداز پیدا کیا تھا جو آج تک حیدرآباد کے کسی شاعر کو نصیب نہ ہو سکا۔ باعتبار قومی نظموں کے آپ کو حیدرآباد کا حالی کہنا بیجا نہ ہو گا۔ آپ کی تمام نظمیں فصاحت و بلاغت حسن بیان اور حسن تخیل میں ڈوبی ہوی ہیں بعض مشہور نظمیں یہ ہیں:-

وفائے عرب۔ جاہلیت کی انسانیت۔ مغز سخن۔ شکر نعمت۔ سفر وطن رب جلیل۔ قرض حسنہ۔ تعلیم نما۔ جاپان تلمیذ یورپ۔ ثمرہ وغیرہ۔

تاریخ کو نظم کرنا بھی کیفی کا خاص کمال ہے۔ دکن کی علمی ترقی کا ذکر کہنے کو تو چند شعر میں کیا ہے لیکن چھ سو برس کی تاریخ کا عطر کھینچ کر رکھدیا ہے سات سے ہجری

بارہ سو ہجری تک کی تاریخ کا لب لُباب ان چند شعروں میں ملاحظہ کیجیے گا۔

ہے قدامت سے دکن فیاضیوں میں مشتہر — مَن کبھی برسایا کرتا تھا یہیں آکر سحاب
تھا ظہوری بھی نمک پروردۂ ملکِ دکن — اور طغرا نے بھی پایا تھا یہیں آکر خطاب
شوق ابراہیم شاہ عادل کو موسیقی کا تھا — ہے ظہوری کی نواسنجی پر از چنگ و رباب
سات سو اسی میں جب محمود شاہ بہمنی — سلطنت کے تخت پر بیٹھا باصد عز و جناب
مدرسے کھولے کئی اور علم کو دی تازگی — جس قدر حصے میں تھا حاصل کیا اس نے ثواب
سات سو سڑسٹھ میں کی محمود گاواں نے بنا — مدرسے کی شہر بیدر میں یہ طرز لاجواب
طول و عرض اس کا پچھتر اور پچپن گز کا تھا — اور سو سو فٹ کے دو مینار تھے بے حساب
طالب علموں کو کھانا مفت کپڑا مفت تھا — مفت پڑھنے کو ملا کرتی تھی ہر درسی کتاب
آج تک اس کے کھنڈر باقی ہیں آثار قدیم — مثل طاق کسروی و گنبد افراسیاب
قطب شاہی دور میں تھا گولکنڈہ دار علم — طالب علم اس میں پڑھ پڑھ کر ہوئے ہیں کامیاب
جب محمد نے بسایا حیدرآباد دکن — در سنین حفظ (۹۸۸) از رقمے حل کرو حساب
چار مینارہ بنایا مدرسے کے واسطے — اور یا حافظ ہے تاریخ بنائے لاجواب
کیسے کیسے تھے دکن میں قدر دان علم و فن — لوگ کیا کیا جمع ہوتے تھے فضیلت انتساب
شیخ عین الدین گنج العلم تھا جن کا لقب — تھے یہیں اطوار الابرار ان کی ثبت کتاب
تین دن ہفتے میں خود فیروز شاہ بہمنی — درس دیتا تھا فرشتہ نے لکھا ہے اس کا باب
ملا فتح اللہ شیرازی حبیب اللہ شاہ — شیخ علم اللہ محدث جس کا علامہ خطاب

اور علامہ محمد ابن حنا توں بافقیہ ‌ ‌ مولوی عبدالکریم ایک ایک فرد لاجواب
مولوی حافظ شجاع الدین صاحب قادری ‌ ‌ درس گاہیں ان سبھوں کی نہایت کامیاب

کیفی کے کلام کے مطالعے کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کا پڑھنے والے پر اثر ہوتا ہے وہ ان کی قادر الکلامی ہے ہر شخص کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کیفی کو زبان پر پوری قدرت تھی وہ پیچیدہ سے پیچیدہ واقعات کو نہایت صفائی اور سادگی سے نظم کرتے ہیں اور اپنے تخیل کا اظہار مسخ کرکے نہیں کرتے بلکہ وہ جس چیز کو پیش کرتے ہیں وہ اس قدر مکمل ہوتی ہے کہ وہ بعینہٖ ہمارے سامنے آجاتی ہے اور ہم محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ چیز ہمارے مشاہدہ میں ہے۔

کیفی نے اپنے کلام کے ذریعے اصلاح و تہذیب کی بھی کوشش کی ہے اور کبھی کبھی قدیم روایات اسلامی کو نہ چھوڑنے اور نئی تہذیب کو مضر قرار دینے کے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے انھوں نے اپنے کلام میں راز زندگی اور مسلمانوں کے اتحاد ملی پر بھی روشنی ڈالی ہے اور مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ ان کی پستی و ادبار کا اصل سبب قرآن حکیم سے بیگانگی ہے اگلے مسلمانوں کے کارناموں پر بھی فخر کیا ہے اور موجودہ استخواں فروش مسلمانوں کو کچھ کرکے دکھانے کا طعنہ دیا ہے

کیفی مرحوم کے کلام کی جن خصوصیات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے اس کے متعلق ان کے کلام میں کثیر التعداد مثالیں اور نمونے دستیاب ہو سکتے ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ابھی بہت زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ کیفی کے نغموں سے ملک کی فضا گونج رہی تھی اور وہ حیدرآباد کے زندہ ارباب شعروسخن میں داخل تھے اور ان کی سنجیدہ تحریر شائقان فن کے لئے شمع ہدایت اور گرمی محفل بنی ہوئی تھیں کس کو خیال تھا کہ وہ اس قدر جلد اس خراب آباد گیتی سے رخصت ہو کر حیدرآباد کی شعروسخن کی دنیا کو ہمیشہ کے لئے غمگیں چھوڑ جائیں گے۔

کیفی مرحوم کی ذات میں جس ادبی مذاق کی تکمیل ہوئی اب وہ حیدرآباد کی شعروسخن کی دنیا میں روح کی طرح سرایت کرگئی ہے اور اس نے ان کے تلامذہ کے حلقہ کو بیحد متاثر کیا ہے۔

کیفی مرحوم کی طبیعت میں لاابالی پن اور بے پروائی بہت تھی ان کی غیور طبیعت درباری تعلقات سے ہمیشہ نفور رہی۔ فقر و قناعت کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ جاہ طلبی سے نفرت تھی اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع الکمال ہستی میں ان صفات کا ہونا لازمی ہے۔

آپ کی بے پروا طبیعت نے آپ کے کلام کو بہت منتشر کر دیا سنا ہے کہ آپ جس شاگرد یا دوست کے مکان میں قیام کرتے تھے اور اس مقام پر جو کچھ لکھتے وہیں چھوڑ دیتے تھے اور پھر کبھی اس کو یاد نہ کرتے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں آپ کا کلام شائع ہونا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔

کارکنان "بزم ادب" کا ادبی دنیا کو بیحد شکر گزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے

کیفی مرحوم کا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام بڑی محنت سے جمع کر کے شائع کر دیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ "بزم ادب" کی حسن سعی سے ہی تھوڑے عرصہ میں کیفی کے متعلق کچھ لٹریچر فراہم ہو گیا جو اس سے بیشتر غیر موجود تھا۔

لمعاتِ کیفی

(کیفی حیدرآبادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خم سبو۔ ساغر۔ صراحی۔ جام پیمانہ مرا — میرے ساقی! جب مرا تو ہی تو مے خانہ مرا
بے نیازانہ طبیعت دل ہے شاہانہ مرا — بھیس تو یوں دیکھنے کو ہے فقیرانہ مرا
ہر طرف مشق تصور سے ہے نقشہ یار کا — میرے حق میں جنت الماویٰ ہے کاشانہ مرا
تم یہاں کیا آئے گویا اک خدائی آ گئی — آج تو اک محشرستاں ہے جلو خانہ مرا
ساز و ساماں ہیں مری یہ بے سر و سامانیاں — باغ جنت سے بھی اچھا ہے۔ یہ ویرانہ مرا
بعد مدت کے ہوئی ہے قدر اب کہتے ہیں وہ — "آج تک میرا ہی دیوانہ ہے"۔ دیوانہ مرا
دشمن اپنا آپ ہوں میں دوست اپنا آپ ہوں — کوئی دنیا میں یگانہ ہے نہ بیگانہ مرا
میں یہ کہتا ہوں "پرائی آگ میں گرتا ہے کون" — شمع کہتی ہے "مگر ایسا ہے پروانہ مرا"
درد دل میرا ہوا ہے باعث آرام یار — نیند آنے کے لیے سنتا ہے افسانہ مرا
اے خمار وصل! اب تو سر اٹھانے دے مجھے — ہو گیا ترکا، ہلاتا ہے کوئی شانہ مرا

شعر کیا۔ نعرہ بھی سن کر کہتے ہیں "کیفی ہے یہ"
چھپ نہیں سکتا کہیں انداز مستانہ مرا

درد خمارِ عشق مرے سر ہوا تو کیا — سودا جو ہو چکا ہو وہی پھر ہوا تو کیا

وہ جوشِ دادخواہی بے داد ہی نہیں — ہنگامۂ روزِ حشر کا برپا ہوا تو کیا

اب، وہ غمِ فراق کی لذت کہاں نصیب؟ — غمگین دل۔ اگر مری خاطر ہوا تو کیا

اب وہ دماغ ہی نہ رہا اے جنونِ عشق! — سودا کسی کا لاکھ مرے سر ہوا تو کیا

اب چشمِ امتیاز کی منت، اٹھائے کون؟ — پنہاں ہوا تو کیا، کوئی ظاہر ہوا تو کیا

اب دل میں حسرتِ شب امید ہی نہیں — ہر روز لاکھ بار دن آخر ہوا تو کیا

ہم ہیں وہی۔ مگر وہ طبیعت، وہ دل کہاں؟ — نالوں سے کوئی اب متاثر ہوا تو کیا

سمجھائے کیا اسے جو نہ سمجھے کسی کی بات — ناصح۔ اگر بڑا ہی معتبر ہوا تو کیا

محشر میں ہو رہی ہے قیامت؟ تو ہونے دو — حاضر ہوا تو کیا میں نہ حاضر ہوا تو کیا

وہ صلحِ کل پسند طبیعت نہیں رہی — مومن ہوا تو کیا کوئی کافر ہوا تو کیا

ہم اپنے دردِ دل کی کہانی سنائیں گے — جز بز ہوا تو کیا کوئی تر بتر ہوا تو کیا

کہتے ہیں شاعری جسے کیفیؔ! وہ اور ہے
ہونے کو کوئی ناظم و ناثر ہوا تو کیا

کیا قیامت ہے۔ ذرا اے اہلِ محشر! دیکھنا — اُن کی یہ نیچی نگاہیں میرا اوپر دیکھنا

مجھ کو مرگِ ناگہانی کا مزا دیتا ہے ہائے — بھول کر میری طرف تیرا ستمگر! دیکھنا

دیکھنے کو دی ہیں جب آنکھیں ہمیں اللہ نے — رنج و غم جو کچھ دکھاتا ہے مقدر۔ دیکھنا

نازنیں قاتل مرا کہتا ہے (خنجر پھینک کر) — ہے یہ کتنا سخت جاں اللہ اکبر! دیکھنا

گنبد چرخ کہن میں اب تو جی لگتا نہیں — دوسری دنیا میں۔ کوئی دوسرا گھر دیکھنا
تیری۔ غیر دل سے جو تھی در پردہ سازش کھل گئی — میری آنکھوں میں ذرا آنکھیں ملا کر دیکھنا!
کان جب تک ہیں، ملامت گر کی سُنی چاہیے — آنکھ جب تک ہے۔ ترا روئے منور دیکھنا
یہ ادائے خاص ہے تجھ ہی میں اے تصویر یار! — کوئی تجھ سے سیکھ لے سب کو برابر دیکھنا
ساتھ دے اپنا اگر وہ کافر خاطر نشیں؟ — بات کعبے میں ہے کہ؟ اک بار چل کر دیکھنا
آسماں سر پر اٹھا رکھا ہے شور عشق نے — حضرت انساں کی قسمت کا چکر دیکھنا

دار و گیر حشر ہی۔ زاہد بھی ہے کیفی بھی ہے
کون کرتا ہے بھلا یہ معرکہ سر دیکھنا

اب بھی شیدا ہے زمانے کا زمانہ تیرا — ہائے دن سن وہ ترے اُف وہ زمانہ تیرا
ایک ساقی کے نہونے سے۔ ہے کیا بے لطفی — کہ نہیں رنگ وہ۔ اے بزم شبانہ تیرا
فرط شادی سے جو ہیں دو دو گھڑی تک غش میں — یہ ہے اے عید شب وصل! دوگانہ تیرا
ضد لڑکپن کی گئی اب ہے جوانی کا غرور — نہ رہا وہ۔ نہ رہے گا یہ زمانہ تیرا
دل بیتاب سنبھل! خوف ہے رسوائی کا — حال دیکھے نہ کوئی مضطربانہ تیرا
کہہ دے کہنے سے کہ ہم آجائیں گے انشاءاللہ — گو ارادہ نہ بھی مستقلانہ تیرا
دل چرایا ہے مرا کس نے خدا ہی جانے — نام لیتا ہے کوئی بے ادبانہ تیرا
میں ہی خواہ جہاں۔ اور جہاں میرا عدو — تو۔ زمانے سے خفا اور زمانہ تیرا
ہوتی ہیں عاشق و معشوق میں جو جو باتیں — وہ کہانی ہے مری یا ہے فسانہ تیرا

دل کو تسکین تو دے او قدر انداز اول / کہیں چوکے نہ تڑپنے سے نشانہ تیرا
میری سو منتیں اور اک تری بے پروائی / لاکھ شکوے مرے اور ایک بہانہ تیرا
رنج و راحت کے مزے سب کو کم و بیش ملیں / غیر کا ساتھ۔ مرا ہاتھ ہو۔ شانہ تیرا
مجھ سے کچھ کم نہیں اے عشق تری رسوائی / جس سے سنیے وہ سناتا ہے فسانہ تیرا
مجھ کو تاخیر کا شکوہ نہیں ہاں او رسوا / آئینہ تیرا ہے۔ زلفیں تری۔ شانہ تیرا

کس سے شکوہ ہے شکایت ہے یہ کس سے کیفی
کوئی بیگانہ یہاں ہے نہ یگانہ تیرا

نہ ہوا وعدۂ وصل آپ سے پورا نہ ہوا / کبھی امروز کا فردا پس فردا نہ ہوا
جب میں کہتا ہوں کہ وعدہ کوئی پورا نہ ہوا / بن کے انجان وہ پھر پوچھتے ہیں کیا نہ ہوا
یوں تو ہونے کو ہے وہ کون جو شیدا نہ ہوا / وہی عاشق ہے جسے تم کہو ایسا نہ ہوا
پھوٹ کر جزو دل خوں شدہ ہو جاتا تھا / آبلہ دل کا۔ حباب لب دریا نہ ہوا
گتھیاں قسمت برگشتہ کی سلجھائے وہ کیا / جس کے ہاتھوں سے کبھی بند قبا وا نہ ہوا
ہو رہا ہے کوئی بدنام۔ کسی کے باعث / یہ بھی کچھ آپ کو معلوم ہوا یا نہ ہوا
ہم کو کیا کیا نہ کیا ترک وطن نے بدنام / پر وہ اہل جنوں دامن صحرا نہ ہوا
یاد تیری نہیں جاتی ہے ہمارے دل سے / یہ مرض وہ ہے جو بھولے سے بھی اچھا نہ ہوا
ان کے آنے سے ملا چین تو وہ کہتے ہیں / دیکھنے آئے تھے جو ہم۔ وہ تماشا نہ ہوا
جو کہا تھا۔ وہی کہتا ہوں کہوں گا بھی یہی / کوئی ایسا ہے۔ نہ ہوتا ہے۔ نہ ہوگا۔ نہ ہوا

نہ رکھا بے سروپائی نے کہیں کا بھی ہمیں
ہم کسی کے ہوئے۔ کوئی ہمارا نہ ہوا

کبھی پورا نہ ہوا عمر بھر اصرار وصال
ان سے ایفا نہ ہوا ہم سے تقاضا نہ ہوا

تم وفادار نہیں کیا کہ ستمگر بھی نہیں
وعدہ کیا۔ کہ ستم بھی کوئی پورا نہ ہوا

میں نے وہ ضبط کیا۔ جو مرے امکاں میں نہیں
تم نے وہ ناز کیا۔ جو تمھیں زیبا نہ ہوا

حسن کیا حسن پس پردہ جو مستور رہا
عشق۔ کیا عشق۔ جو بازار میں رسوا نہ ہوا!

آہ بے ساختہ نکلی ہے یکایک دل سے
ہائے اس وقت مرا روٹھنے والا نہ ہوا

ہم کو کیفی نظر آتا ہے اسی کوچے میں
جو مقیم حرم و دیر و کلیسا نہ ہوا

وحشیان ہم نے ترا دشت گرا! چھوڑ دیا
چھوڑنے کا تو نہ تھا قصد مگر۔ چھوڑ دیا

تجھ کو اللہ پڑے درد جگر! چھوڑ دیا
کہ۔ دوا نے بھی دعا نے بھی۔ اثر چھوڑ دیا

جب وطن میں ہمیں ملنے لگے غربت کے مزے
ایک مدت سے جو تھا قصد سفر چھوڑ دیا

طرفہ عیار ہے۔ وہ شوخ نگہ۔ دیدہ دلیر
مرغ دل پر مرے شہباز نظر چھوڑ دیا

دل جگر لے کے براہ کرم اس ظالم نے
درد دل چھوڑ دیا درد جگر چھوڑ دیا

باغ دنیا کے تماشے بھی ہیں اس کی قدرت
کور چشمی ہے یہ زاہد نے اگر چھوڑ دیا

زاہد خشک کو محشر میں ہوئی کیا حیرت
جب فرشتوں نے مرا دامن تر چھوڑ دیا

مجھ سیہ بخت کی جس دن سے ہوئی دامنگیر
شب فرقت نے۔ گریبان سحر چھوڑ دیا

دنیا میں جو معشوق ستمگار نہ ہوتا
عاشق کبھی لذت کش آزار نہ ہوتا

امید عبادت نے کیا مجھ کو پشیماں
ورنہ کبھی اس درد کا اظہار نہ ہوتا

رہتی کوئی دن اور تمنائے عیادت
اے کاش علاج دل بیمار نہ ہوتا

اے شان کریمی ترے دشمن ہیں مایوس
کیا بات کہیں اور گنہگار نہ ہوتا

شہرت کے لئے ہوتی جو ایمان فروشی
ورنہ کبھی اسلام پہ ادبار نہ ہوتا

میں اپنا تخلص بھی تو کیفی نہیں کرتا
اللہ! ترا نام جو غفار نہ ہوتا

جان دی میں نے تو اپنا مجھے خواہاں سمجھا
ہائے سمجھا بھی تو کس وقت وہ ناداں سمجھا

آپ اپنے کو دعاؤں سے پشیماں سمجھا
مجھ کو اپنا نہ سمجھنا تھا مگر ہاں سمجھا

چھوڑ دوں چاہ تو چھٹ جاؤں مصیبت سے مگر
سب سے مشکل ہے یہ سب جسے آساں سمجھا

جان تو جان کے لیتا ہے یہ میں جان گیا
وہی ناداں ہے جس نے تجھے ناداں سمجھا

تجربے سے تو سمجھتا تھا تری ہاں کو نہیں
منفعل شوق انہیں کو بھی تری ہاں سمجھا

اور ہی ہے یہ نظر نیچی نگاہیں کیسی؟
خود پشیماں ہوں کیوں تجھ کو پشیماں سمجھا

میں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے وہ سمجھا تو نے
یہ تو سمجھا۔ مجھے کیا تو نے مری جاں سمجھا

وسعت آباد جہاں تنگ ہے مجھ وحشی پر
اس بڑے گھر کو بھی دل نے مرے زنداں سمجھا

ہم تو سب سوچ سمجھ کر ترے دیوانے ہیں
دوست کس نے تجھے وہ دشمن ایماں سمجھا

کب کسی چاہنے والے کی خبر لی تو نے
اپنی زلفوں کے سوا کس کو پریشاں سمجھا

معاف کیجی

کوئی پوچھے مرے دل سے ترے بھولے پن کو
آپ ناداں ہے وہ جس نے تجھے ناداں سمجھا

شوق میں ہو گئی آپے سے زلیخا باہر
دامن یار کو بھی۔ اپنا گریباں سمجھا

اب مری بات سمجھ میں نہیں آتی کیا خوب
یاد؟ وہ وقت کہ ہر بات پہ "جی ہاں سمجھا"

ہم نے بھی حضرت غالب کیطرح سے کیفی
غلطی کی۔ کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

ترے انداز ظالم کیا ہیں کچھ بولا نہیں جاتا
سمجھ جاتا ہوں لیکن مجھ سے سمجھایا نہیں جاتا

ترا چہرہ برابر دُور سے دیکھا نہیں جاتا
جھجکتا کیوں ہے، آ نزدیک آ میں کھا نہیں جاتا

وہ دردِ دل سے کہتے ہیں مری بزم تصور میں
اب اٹھتا یا نہیں اٹھتا ہے۔ جاتا۔ یا نہیں جاتا

طبیعت اسکی۔ مرضی اسکی۔ دل اس کا۔ خوشی اسکی
جہاں جی چاہے جاتا ہے نہیں جاتا۔ نہیں جاتا

ترے جور و ستم بھولے ہم اپنے درد و غم بھولے
مگر ظالم یہ تیرا بھولنا بھولا نہیں جاتا

محبت کے ہزاروں لطف کھوئے ناتوانی نے
تڑپنے کے ہیں سب سامان مگر تڑپا نہیں جاتا

نہیں دیتے ہو دل واپس تو اب ہم کو تمہیں چاہو
کہ ہم سے بے دلی کے ساتھ تو چاہا نہیں جاتا

وہ کہتے ہیں کہ میرا چاہنے والا نہیں چھپتا
میں کہتا ہوں کہ ظالم وہ تو پہچانا نہیں جاتا

ذرا دل لینے والے بھی تو سوچیں اپنے گھاتوں کو
کسی پر اد بدا کر تو مرا دل آ نہیں جاتا

ہوا ہے ایک مدت میں اثر اتنا وہ کہتے ہیں
کہ حسرت سے کسی کا دیکھنا دیکھا نہیں جاتا

ندامت سے نہیں ملتی ہے فرصت سر اٹھانے کی
غزل۔ کیا خاک کیفی، شعر بھی لکھا نہیں جاتا

زمانہ میں اگر اک آدھ بھی تجھ سا حسیں ہوتا
کوئی عاشق ترا ظالم سوا میرے نہیں ہوتا

محبت کی انھیں ہے قدر گر اتنا یقیں ہوتا
تو لاکھوں ظلم سہکر بھی نہ میں اندوہگیں ہوتا

ہنسی ہوتی خوشی ہوتی جہاں ہوتا جبیں ہوتا
اگر تم میرے ہو جاتے تو پھر کیا کچھ نہیں ہوتا

یہاں تک طول حسن و عشق کا جھگڑا نہیں ہوتا
اگر تم چاہتے تو فیصلہ اس کا وہیں ہوتا

دماغ حسن نے دل کو کیا ہے خاک کا پیوند
وہ بالائے فلک ہوتا نہ یہ زیر زمیں ہوتا

چمن میں انجمن میں سیر گاہوں میں نگاہوں میں
وہ بے پردہ ستم آرا، مرا ہوتا کہیں ہوتا

بہت مجبور اپنے دل سے ہوتے تھے تو روتے تھے
مگر افسوس ہے اب ہم سے اتنا بھی نہیں ہوتا

وہ جب پہلو میں تھا تو دل میں رکھ لینے کا ارماں تھا
یہ حسرت اب ہے میرا دل نشیں پہلو نشیں ہوتا

سر تسلیم خم تھا ہم کچھ منہ سے نہ بولے تھے
ادھر بھی وار تیر اور نگاہ شرمگیں ہوتا

ہم اپنے دل ہی دل میں ہو دو لگی اور دے لیتے
نہ کوئی ہم خیال اپنا، نہ کوئی ہمنشیں ہوتا

مگر دامان شک اپنا دراز اتنا نہ تھا ورنہ
گریباں کا گریباں آستیں کی آستیں ہوتا

کرشمے ہیں یہ بار عشق و آب حسن کے ورنہ
نہ خم پشت فلک ہوتی نہ تر رو زمیں ہوتا

وہ مجھ سے شکوۂ درد جدائی سن کے کہتے ہیں
قلق ہم کو بھی ہوتا ہے مگر اتنا نہیں ہوتا

حکومت کس طرح سے کرتے ہیں معشوق پر عاشق
دکھاتے ہم بھی دنیا میں اگر ایسا کہیں ہوتا

نہ ہوتا اس طرح کیفی سراسیمہ پراگندہ
اگر کمبخت کو کچھ بھی خیال عشق دیں ہوتا

برق میں آہن سکتا ہے تڑپنا اپنا
دین اللہ کی یہ رنگ ہے اپنا اپنا

یاد آتے ہیں وہ بہروپ تری فرقت کے
سجہ خوانی کبھی مالا کبھی جپنا اپنا

جو بسے من میں ہیں وہ سپنے میں ڈسے کہتے ہیں
ہائے ایسا بھی تو کوئی نہیں سپنا اپنا

نہ سہی وہ نہ سہی دل بھی تو قابو میں نہیں
کیا پرائے سے گلا جب نہیں اپنا اپنا

دیکھتے ہم بھی ہیں نیچ اونچ مگر موند کے آنکھ
سب جسے کہتے ہیں ہونسا وہی سپنا اپنا

اس سے کچھ بڑھ کے نہ نکلو تو چلو ہم ہارے
قد کسی روز قیامت سے بھی نپنا اپنا

تیرے عاشق بھی تو کچھ کم نہیں معشوقوں سے
سخت دشوار ہے ایسوں میں پنپنا اپنا

فقرے کس کس کے ذرا اور انھیں کھلجانے دو
رنگ لائیگا پھر اس بزم میں چپنا اپنا

دیکھ سکتا ہے بھلا ساقی کوثر کیفی
چلچلاتی ہوئی اس دھوپ میں تپنا اپنا

ب

عہد پیری میں جو مل جاتے ہیں یاران شباب
یاد کس حسرت سے آجاتے ہیں سامان شباب

جو سمائی وہ سمائی جی میں جو آیا کیا
ہائے کیا دن تھے کہ ہم تھے اور عنوان شباب

سر میں سودا دل میں جوش آنکھوں میں مستی بے پئے
لب پہ شعر عاشقانہ ہائے دوران شباب

کوچہ گردی شب نوردی تازگی آوارگی
آشکارا جوش مستی عیش پنہان شباب

قدردان حسن آنکھیں رتبہ سنج عشق دل
وہ جوانی کی امنگیں اف وہ ارمان شباب

رہزنانِ حسن سے تاراج دولتمند عقل
قہرمان عشق سے مغلوب سلطان شباب

اک خیال ضعف پیری مایۂ صد درد سر
لاکھ دلجمعی نہ اک خواب پریشان شباب

رنگ و بوئے نوگلِ خنداں جوانی پر نثار
غنچہ و گل ہائے رنگا رنگ قربانِ شباب

اب جگہ چھٹتی نہیں کوئی جگہ چھٹتی نہ تھی
یہ ضعیفی کی ہے منت تھا وہ احسانِ شباب

چھوٹ کر اس قید سے اک دن ہمیں پچھتانا پڑے
یاد رکھیں نو گرفتارانِ زندانِ شباب

اک دل وہ بھی تو اپنا تھا کہ ہم تھے نوجواں
اک دل یہ بھی ہے اپنا اور پایانِ شباب

کیسے کیسے دوستوں کے داغ کیفی دل میں ہیں
ہائے وہ ہم اور وہ جلسے وہ یارانِ شباب



بجلیاں کوندتی ہیں اور ہے برسات کی رات
اب کہاں جاتے ہو؟ رہ جاؤ یہیں رات کی رات

چھیڑ میں پاسِ ادب، ناز و ستم، شرم و غضب
کس تکلف سے کٹی پہلی ملاقات کی رات

رات دن ہوتی تھی کیا کیا مری خاطر داری
وہ تواضع کے رہے دن نہ مدارات کی رات

تہمت بدنظری، آنکھ چرانے کا گلہ
بحث کیا چھڑ گئی تھی شرحِ اشارات کی رات

روز و شب خلوت و جلوت میں بہم رہتے تھے
اب ملاقات کا دن ہے نہ ملاقات کی رات

اے زہے طالعِ بیدار کہ ہم خواب ہے وہ
میں تو اس رات کو سمجھا ہوں کرامات کی رات

دن نکلتے ہی نکلنے لگیں آنکھیں دیکھو!
تم نے کھائی تھی قسم سچ کہو کس بات کی رات

باتوں باتوں میں شبِ وصل کہیں بھور نہ ہو
آج کی رات نہیں حرف و حکایات کی رات

رند، پی پی کے، گلے ملتے ہیں کیا ایک سے ایک
عید کا دن ہے کہ ہے اہلِ خرابات کی رات

نہ اجالے سے ہی مطلب نہ اندھیرے سے غرض
دن خرابات کا دن رات خرابات کی رات

بے تری دید کے آفت میں ہی کیفی شب و روز
دن قیامت کا ہی دن رات بلیات کی رات

ج

آنکھوں سے نکلتے ہیں مرے لخت جگر آج
گھر دھونے کو بیٹھے ہیں مرے دیدۂ تر آج

آتی ہے جو کل موت، وہ آئے مرے گھر آج
ہو جائے وفا وعدۂ فردا اگر آج

کچھ اس کی خبر ہے؟ کہ نہیں کل کی خبر آج
کس سوچ میں بیٹھا ہی جو کرنا ہی وہ کر آج

پہنچے انھیں کس طرح مرے دل کی خبر آج
تاثیر ہے نالوں میں نہ آہوں میں اثر آج

پھرتی ہے نگاہوں میں تری صورت زیبا
آنکھوں کو مری لگتی ہی خود میری نظر آج

داماں شب ہجر کا پیوند لگا ہے
ہوگا نہ کبھی چاک گریبان سحر آج

کس کے گل نقش کف پا کی ہے یہ خوشبو
جنت سی مہکتی ہی مری راہ گزر آج

حسرت نے مری مجھ کو کیا زندہ بگور، آہ
اس نے تو مرے قتل پہ باندھی ہی کمر آج

مجبور ہوں میں اور تو مختار ہے مالک
کل جس سے میں نادم رہوں ایسا تو نہ کر آج

سنتا ہوں غریبوں پہ ہی عام اسکی نوازش
ہی اپنے وطن ہی میں مرا قصد سفر آج

آمادۂ بخشش ہی ادھر شان کریمی
پھیلائے ہوئے ہوں میں ادھر دامن تر آج

غافل! تجھے کل سامنے جانا ہی کسی کے
کچھ دل میں خدا کے لئے اللہ سے ڈر آج

اک روز بھی وہ بزم تصور میں نہ ٹھہرا
ہم کہتے رہے لاکھ، ٹھہر آج ٹھہر آج

ہو ختم شب وعدہ تو پروا نہیں مجھ کو
جتنا ہو سنور لے تجھے او شوخ! سنور آج

کیا جانے یہ کس شوخ سے در پردہ لڑی ہے
کیفی تری آنکھوں سے ٹپکتا ہے اثر آج

د

تجھے حسن و محبت کے مضامین ادق یاد
آموختہ اب یاد ہے ہم کو نہ سبق یاد

پانی دہنِ آبلۂ دل میں بھر آیا
آیا جو کبھی ہجر کا وہ رنج و قلق یاد

وہ صبح بھی کیا صبح تھی وہ شام بھی کیا شام
ہے نور سحر یاد نہ اب رنگ شفق یاد

بھولے سے جو انجم پہ پڑی ہے نگہ یاس
آیا ہے تری بزم کا وہ نظم و نسق یاد

بھولا ہوں نہ بھولوں گا میں انواع معاصی
ہے نامۂ اعمال کا ایک ایک ورق یاد

شرمندہ اسے کرکے پشیماں ہوا ہوں
روتا ہوں جب آتا ہے وہ ماتھے کا عرق یاد

وہ دن بھی عجب دن ہے کہ ذرات بھی ہُو حق
اب تو یہ زمانہ ہے کہ ہُو یاد نہ حق یاد

سب بھول گئے ارض و سماوات کی سیریں
وہ سات سبق یاد نہ یہ سات طبق یاد

بے پردہ نہ ہو جائے کہیں یاد تمہاری
کر دے نہ مرے دل کی طرح سینہ بھی شق یاد

کیفی نہیں یہ کوئی قل اعوذ یہ ہوگا
اخلاص کہاں ہو تو ہوا اخلاص و فلق یاد

ر

وہ برجستہ فسانہ ہے زبان شمع تربت پر
کھلے گی جس کی رنگینی بیاض چشم عبرت پر

ہوئی ہے وضع داری ختم اپنی شام فرقت پر
علی الرغم زمانہ آج تک ہے ایک حالت پر

ہمارے قتل سے بھی رونق آئی رنگِ وحشت پر
پڑے ہیں چاک کیا کیا چادرِ خونِ شہادت پر

ہمارے داغِ دل کی دیدنی ہے گرم بازاری
کہ پانی پھر گیا سرچشمۂ مہرِ قیامت پر

اڑائی دھجیاں دستِ جنوں نے اس سلیقے سے
گماں میرے گریباں کا ہے دامانِ قیامت پر

ہوی ہے تنگدستی وجہ توبہ ورنہ اے ساقی!
کفِ افسوس ملنا، دال ہے تجدیدِ بیعت پر

تری بے داد کے خوکردہ بسمل کو ہو کیونکر
گمانِ خندۂ زخمِ جگر، صبحِ قیامت پر

کراماً کاتبیں کی نکتہ چینی سے ہمیں کیا ڈر
نہ آیا، حرف کوئی آج تک تحریرِ قسمت پر

شبِ فرقت کی، بزم آرائیاں کس بات میں کم ہیں
اگر ملنا ترا موقوف ہے روزِ قیامت پر

عدم ہو کر بھی آثارِ وجود اچھوں کے اچھے ہیں
ہنسی آجاتی ہے اب بھی، گذشتہ عیش و عشرت پر

خلافِ وضعداری، چھیڑ کر، کی بات اس بت نے
مری ذلت نے جھاڑو پھیر دی گردِ کدورت پر

ترا تعظیم کو اٹھنا، ترا تسلیم کو جھکنا
فریبِ لافِ دلجوئی قیامت ہے قیامت پر

عجب ہنگامہ ہے، ان کی غلط انداز نظروں کا
امیدیں ٹوٹ پڑتی ہیں شکستِ کارِ حسرت پر

مجھے ہونا پڑا منت پذیرِ طعنۂ دشمن
لبِ زخمِ جگر کا دانت ہے شورِ ملامت پر

بخوفِ بیخودی کی مے سے توبہ تیرے وحشی نے
کہیں آنچ آتشِ سیال کی آئے نہ وحشت پر

عدو کو دیکھ کر میری طرف وہ دیکھنا تیرا
ستم پر ہے ستم، تازہ قیامت ہے قیامت پر

حسینانِ جہاں سے رات دن رہتی ہے ہم آغوشی
ہوتا کاش مجھ کو رشک اتنا اپنی قسمت پر

خلوص و یکدلی کا نام بھی لیتا نہیں کوئی
مدار اب دوستی کا رہ گیا صاحب سلامت پر

رہینِ منتِ ساقی رہوں گا عمر بھر کیفیؔ!

اگر مل جائے کوئی جامۂ دستار فضیلت پر

چھپی ہے تم نے کب افشاں جبین روئے تاباں پر
یہ بسم اللہ کے اعداد ہیں سرِ لوحِ قرآں پر

لگایا ضبط نے یہ عیب کاوش ہائے پنہاں پر
کہ زخم ناخن وحشت بھی تکمہ ہے گریباں پر

مرے کلک گہر پاش و در افشاں کے مقابل میں
ثبوت قطرہ دزدی ہو چکا ہے ابر نیساں پر

کمینوں کی خباثت سے عذر لازم ہے انساں کو
کہ ہو جاتا ہے قبضہ اہرمن کا بھی سلیماں پر

کریں کس منہ سے ہم شکوہ فلک کا حق بجانب ہے
کہ ہوتی ہے نظر صیاد کی مرغ خوش الحاں پر

سرِ فرسودہ، پائے سودہ، خاک وحشت آگندہ
بنا ہے ایک عبرت زا سماں گورِ غریباں پر

نہیں معلوم کس مے کش کی خاطر ہے تجھے یارب!
کہ اٹھ اٹھ کر برستی ہیں گھٹائیں بزم رنداں پر

ق
عروسانِ چمن کی تازگی ہے دید کے قابل
بہار آئی ہے اک جوبن برستا ہے گلستاں پر

گرہ انتیسویں ہے آج اس سلطانِ عادل کی
جو رکھتا ہے نظر انصاف کی ہندو مسلماں پر

الٰہی! تیرے عز و شان کا سایہ رہے تا حشر
نظام الملک آصف جاہ محبوب (غفران مکان) علی خاں (علیہ الرحمۃ) پر

قیامت تک رہے سایہ خدایا ظلِ سبحاں کا
مہاراجہ کشن پرشاد، چندولال دوراں پر

وزیر و شاہ کا لطف و کرم ہر روز افزوں ہے
علو ہمت، امانت و نت راجہ رائے رایاں پر

ریاست حیدرآباد دکن کی حشر تک یا رب
رہے سرسبز و چمکے ان فضائے باغ رضواں پر

دکن ہی آج کل ارباب علم و فن کا مامن ہے
لکھا ہے خطِ نستعلیق سے گردون گرداں پر

خبر ہے آنے والے ہیں ظہیر دہلوی کیفیؔ!
دکن کو فخر کرنا زیب دیگا ایسے مہماں پر

تسلط بعد مجنوں کے ہوا اپنا بیاباں پر — کہ پرچم بن کے دامن رہ گیا خارِ مغیلاں پر

اگر قبضہ ترے بسمل کا ہو جاتا نمک داں پر — تراز پارہائے دل نہ ہوتا، نوکِ مژگاں پر

یہ کس مہوش کی ابروئے ہلالی سے ہے دل زخمی — کہ پٹی چادرِ مہتاب کی ہے زخمِ خنداں پر

نظر بازوں کا دھوکا اعتبارِ نامِ تمکیں ہے — کبھی قمری نظر آتی نہیں سروِ چراغاں پر

سیہ روئی عیاں ہے سرکشی سے تیرہ باطن کی — دھواں کب ہے فروغِ لمعۂ شمعِ شبستاں پر

ہماری تیرہ بختی کا نمونہ ہو گیا ظاہر — ہوا کیا خاک اثر آنسو کا اخگرہائے سوزاں پر

مری آوارگی کی قدر، خیاطِ ازل کو ہے — کیا ہے رختِ وحشت قطع میرے جسمِ عریاں پر

پریشانی ہے میری باعثِ مجموعیِ خاطر — کہ رحم آتا ہے زلفِ یار کے حالِ پریشاں پر

گدا و شاہ معاً ایک ہیں لیکن ہے فرق اتنا — کوئی ہے شیرِ قالیں پر۔ کوئی شیرِ نیستاں پر

مآلِ پائے مالی نے کیا ہے صاحبِ نسبت — ہوا ہے بے نشانی کا گماں گورِ غریباں پر

دمِ گریہ بنا چاکِ جگر، رسوائی کا پردہ — بڑا احسان ہے خورشید کا، اس شبنمستاں پر

ترے وحشی کی نظروں میں نہ جچے کیا چرخِ مینائی — چنے ہیں شیشہ آلات اس نے طاقِ نسیاں پر

ہوئی ہیں ہڈیاں گھل گھل کے چونا تیرے قیدی کی — سپیدی سی نظر آتی ہے اب دیوارِ زنداں پر

کرے کیا پنجۂ وحشت، بُرا ہو ناتوانی کا — کہ پاسِ وضع کا چھدّا رہا آخر گریباں پر

غزل ہے۔ یا کوئی طومار ہے بس چپ رہو کیفی
گراں ہوتی ہے تطویلِ سخن، طبعِ سخنداں پر

کہیں پوشیدہ ہیں وہ عشق کی نیرنگیاں ہو کر — کہیں ظاہر ہیں جلوے حسن کی رنگینیاں ہو کر

عدو کی افترا پردازیوں کی قدر کرتا ہوں — کہ تیرا نام چمکے گا مری بدنامیاں ہو کر
مری ہر دلعزیزی ہی مجھے ہے خوف آزادی — عجب کیا ہے جو نکلوں نالۂ زندانیاں ہو کر
یہی عالم رہا گر سوز دل کی بے قراری کا — در و دیوار گر جائیں گے اک دن بجلیاں ہو کر
مجھے حاصل نہ ہو کیوں ذوق وصل و لذت ہجراں — وہ میرے دل میں رہتے ہیں مری بیتابیاں ہو کر
ہمارا دست وحشت کیوں نہ ہو سرمایۂ نازش — ہوا دامن دراز اپنا گریباں دھجیاں ہو کر
مری گستاخیوں نے بے تکلف کر دیا ان کو — ہوا کیا خوب نیک انجام بد عنوانیاں ہو کر
وہاں وعدہ خلافی کی ہوا کرتی ہیں تجویزیں — یہاں ہر روز رہ جاتی ہیں بزم آرائیاں ہو کر
تسلی بخش غمخواروں کے فقرے کام کیا دیں گے — ادائیں ان کی رہتی ہیں جگر میں برچھیاں ہو کر
ترقی خواہ عمر و دولت و اقبال آصف ہیں — دعا میری شریک محفل روحانیاں ہو کر
مجھے منزل پہ پہنچایا ہے میری ناتوانی نے — کہ چڑھ سکتا ہوں بام یار تک پرچھائیاں ہو کر
ادا کس منہ سے ہو شکر اس ادائے خاص کا یارب — دعائیں ان کے دل سے لب تک آئیں گالیاں ہو کر

نہ وہ کس بل رہا ہم میں نہ وہ طاقت رہی کیفی
نکمے ہو گئے مغلوب تن آسانیاں ہو کر

نکل رہا ہے پسینہ مرا لہو ہو کر — مہک رہا ہے زمانے میں تیری بو ہو کر
چھوا ہے خواب میں رخ ان کا کیا سزا لیکن — قرآن کو ہاتھ لگایا ہوں بے وضو ہو کر
مرا ہے عشق علیہ السلام پر احساں — بڑھایا میں نے ہی نام ان کا کو بکو ہو کر
جنھیں زمانے سے ہے ناز شعر گوئی پہ — مقابلہ وہ کریں آج دو بدو ہو کر

عجب مزا ہے، اگر میری وصل کی خواہش — تمھارے دل میں رہے میری آرزو ہو کر
حجاب روکے ہے حالت پہ ایسے بیکس کی — ملے، نہ دوست سے جو ہائے روبرو ہو کر

بنا دیا ہمیں بے دین کر دیا کافر
کسی کی شکل کے وہ شوخ ہو بہو ہو کر

تذکرے کرتے ہیں وہ ڈال کے بیگانوں پر — حاشیے چڑھتے ہیں کیا کیا مرے افسانوں پر
راز کھل جائے نہ قاتل مرا بیگانوں پر — خون ہے خون ابھی تیغ کے دندانوں پر
نہ زمانے کو سلیقہ نہ فلک کو ہے شعور — مہرباں کوئی تو ہوتا ترے دیوانوں پر
آتش عشق کے جلوے ہیں عیاں ہو کہ نہاں — سوز دل شمع پہ موقوف نہ پروانوں پر
جلوۂ حسن سے ہیں ہوش ٹھکانے کس کے — کون برسائیگا پتھر ترے دیوانوں پر
میرے ساقی نے بنایا ہے طلسم تسخیر — مختلف رنگ کے خط کھینچے ہیں پیمانوں پر
مست کرتے ہیں ہو العفو کا جب شور بلند — خانقاہوں کا گماں ہوتا ہے میخانوں پر
جان اک آن میں دیتے ہیں پیش رخ شمع — دل جلے کیوں نہ جگر سوختہ پروانوں پر
جوگ ہے سوگ ہے یا روگ ہے میرے دل کا — زلفیں اس طرح سے بل کھائیں میں کیوں شانوں پر
قدر کر قدر کہ ہے قدر کے قابل یہ گرو — رشک ہے اہل خرد کو ترے دیوانوں پر
ایک دن ہم کو کریں گے یہی سب میں رسوا — جن کو ڈھو ڈھو کے پھرا کرتے ہیں ہم شانوں پر
زیست سے تنگ بھی ہیں جنگ بھی ہے ننگ بھی ہے — ہر طرح کی ہے مصیبت ترے دیوانوں پر
دل شکستہ ترے کر لیتے ہیں نسبت پیدا — ٹوٹ پڑتے ہیں یہ ٹوٹے ہوئے پیمانوں پر

اتنی ملتی نہیں اک جا سے کہ ہم چھک جائیں — اس لئے پھرتے ہیں کاسہ لئے میخانوں پر

یاد ہوگا وہ زمانہ کہ مجھے تھا جب ہوش — رحم آتا تھا بہت آپ کو دیوانوں پر

دل ہی بس میں ہے نہ دلدار عدو تو ہیں عدو — اپنے اپنے نہیں کیا دوس ہے بیگانوں پر

دیکھتے ہیں وہ کبھی دیکھنے والوں کی طرف — تمکنت سے کبھی پڑتی ہے نظر شانوں پر

آگئیں یاد مجھے مدبھری آنکھیں تیری — جب پڑی آنکھ چھلکتے ہوئے پیمانوں پر

دام دیتے ہیں کبھی مانگ بھی لیتے ہیں کبھی — کبھی میخانوں میں ہم ہیں کبھی میخانوں پر

سنگ باری سے جو تھک تھک کے تو تنگ آئے ہیں — سنگدل چلتے ہیں چڑھیں ترے دیوانوں پر

شمع کی آگ پرائی ہے گرے کیوں اس میں — سوز پروانوں کا روشن ہو جو پروانوں پر

پاکبازانِ محبت میں رقابت کیسی — پیار آتا ہے ہمیں تو ترے دیوانوں پر

مسجدوں سے ہمیں مطلب نہ شوالوں سے غرض — سایۂ دامن رحمت رہے میخانوں پر

مرنے والے کبھی ہوتے بھی ہیں ایسے پیدا — ناز کرتی ہے محبت ترے دیوانوں پر

کیا عجب ہے دل گم گشتہ ملے ہاں ساقی — اک نظر اور بھی ٹوٹے ہوئے پیمانوں پر

تیری باہیں مری گردن میں رہی ہیں برسوں — کیا تعجب ہے کہ ہو نقش ابھی شانوں پر

نظر اپنی ہے فقط تیرے کرم پر ساقی — نہ خموں پر ہے نہ شیشوں پہ نہ پیمانوں پر

اون کے قدموں پہ تصدق ہوں ازل سے کیفی
سب ولیوں نے قدم جن کے لئے شانوں پر

وہاں تو بزم میں دشمن چلے آتے ہیں دشمن پر — یہاں فریاد پر فریاد ہے شیون پہ شیون پر

ستم کرتے ہیں انداز حیا بیساختہ پن پر
دم رخصت وہ انکا ہاتھ رکھنا میرے دامن پر

کسی کو اس طرح عاشق بنا کر امتحاں کیجے
ہماری دوستی کی قدر ہے موقوف دشمن پر

سمجھ میں کچھ نہیں آتی مری ناگفتہ بہ حالت
کبھی روتا ہوں ہنسنے پر کبھی ہنستا ہوں شیون پر

جنوں کے جوش میں ثابت گریباں رہ نہیں سکتا
مرا احسان رہتا ہے ہمیشہ میری گردن پر

تمنا اور پھر کیسی تمنا ان کے آنے کی
بر آئے گی مگر کب؟ بعد مرنے میرے مدفن پر

نظر بازوں کی کثرت خود تمھیں چھپنا سکھا دیگی
لگائے جائیں گے پردوں پہ پردے اور چلمن پر

کوئی ہر دلعزیزی سیکھ لے تصویر سے تیری
کہ پڑتی ہے نگاہ لطف یکساں دوست دشمن پر

ہوئی ہے طاقت پرواز ہی وجہ گرفتاری
خبر کیا تھی کہ نکلیں گے بغل میں اپنے دشمن پر

زیارت کیا کہاں کے پھول کیسی فاتحہ خوانی
دکھیں گے پائے نازک چاک ڈالو میرے مدفن پر

ترے برعکس تیرا چاہنے والا سمجھتا ہے
مجھے پھر کیوں نہ آئے پیار ایسے اپنے دشمن پر

مجھے مد نظر ہے حشر کے میلے کی تیاری
دُر اشک ندامت ٹانکتا ہوں اپنے دامن پر

محبت کی نظر سے جب انھیں ہم دیکھ لیتے ہیں
تو گھبرائی ہوئی ان کی نظر پڑتی ہے دشمن پر

جنوں کی دستکاری دیکھ کر جامے سے باہر ہوں
کہ پیراہن کے بدلے زخم دامن دار ہیں تن پر

تمنا بوالہوس کی ہو رہی ہے جان دینے کی
کچھ اس انداز سے آیا ہے کوئی اپنے مدفن پر

دل بیتاب کو تسکین دیتے جاؤ رہ رہ کر
کہیں سبقت نہ لیجائے تمھارے چلبلے پن پر

وہی کیفی وہی رستہ ہے آندھی ہو کہ بارش ہو
چلے آتے ہیں حضرت میکدے سے ایک ہی پن پر

پہلے تو مجھے خاک میں ملاکر جس سے جی چاہے پھر ملاکر
لکھا ہے جواب نامہ اس نے تقدیر کے خط میں خط ملاکر
ہوتا ہمیں رشک ہمکلامی صد شکر کہ نامہ بر ملا، کر
غیروں سے ہمیشہ ملنے والے ہم سے بھی کبھی کبھی، ملاکر
تم اپنی نہیں نہیں سے باز آؤ! ہم ملتے ہیں ہاں میں ہاں ملاکر
آنکھوں کی لڑائی صلح جو ہے چھوڑے گی، مگر یہ دل ہلاکر
اُف وہ تری آخری ملاقات ق کہنا ترا منہ سے منہ ملاکر
یہ ملنے نہ دیں گے بیچ والے ان کو رکھنا ذرا ملاکر
بچھڑے ہوے دو ہیں تو نکو یارب اک بار دکھا دے پھر ملاکر

کیفی میں نہیں ہے ضبط باقی
ساقی! تو پلا دے کچھ ملاکر

ک

میں ڈرتا ہوں نہ رکھ زندہ مجھے اُس دن کی آفت تک سلامت حضرت واعظ ہیں یارب قیامت تک
رہا ہی ناز مہر و عشق پر ہم کو بھی مدت تک مگر لب پر نہیں آتا ہے اب نام محبت تک
مجھے کس نے شکایت ہی سمجھ میں کچھ نہیں آتا جدا ہیں اپنے معنوں سے مگر حرف شکایت تک
مجھے وہ دیکھنے آئیں خوشی سے میں تو اٹھ بیٹھوں مگر ڈر ہے نہ اٹھ جائے کہیں رسم عیادت تک
حجاب اتنا تو عاشق سے نکر بزم تصور میں وہ تکتا ہی تری صورت کو تو بھی اسکی صورت تک

قیامت کا اجارا کیا جو ملنا ہو تو اب ملئے — کہ دم کا کیا بھروسہ کون جیتا ہے قیامت تک
نہ ہوگا کوئی ہم سا بے ٹھکانہ خانہ آوارہ — ٹھکانے سے نہیں لگتی ہماری کوئی محنت تک
تری کس کس ادائے داستاں پر جاں صدقے ہو — رسائی ہو نہیں سکتی ہماری کنہ قدرت تک
تم اپنا کل کا وعدہ آج ہم سے پورا کر دیکھو — ابھی ہم سر کے بل آتے ہیں میدان قیامت تک
وفور شرم سے چھپتے ہیں زیر دامن مژگاں — نکل سکتے نہیں ہیں آنکھ سے اشک ندامت تک
گیا بچپن شباب آیا مجھے پہچاننا کیسا؟ — نہیں پہچاں سکتے ہائے تم خود اپنی صورت تک
مجھے ارشاد ہو اب میں ناز برداری کو حاضر ہوں — سنبھل سکتا نہیں جب آپ سے بار زنزاکت تک
ہماری خاکساری کیوں نہیں جچتی نگاہوں میں — ترے دل میں تو گھر کر لیتی ہے گرد کدورت تک
ہمارے بعد مٹی بھی نہ کر برباد غیر و نکی — جو تو چاہے تو حاضر ہے ہماری خاک تربت تک
الٰہی کثرت عصیاں سے میں اتنا پشیماں ہوں — کہ مارے شرم کے ہیں سرنگوں اشک ندامت تک
کشود کار کی تم سے توقع کون رکھے گا — رہے محروم جب وابستۂ داماں دولت تک

گھٹا چھائی فلک پر دم گھٹا جاتا ہے کیفی کا
سلامت میکدہ تیرا رہے ساقی قیامت تک

گ

اے دیدۂ تر پارۂ دل لخت جگر مانگ — قسمت میں گدائی ہے ادھر اور ادھر مانگ
فریاد میں تاثیر نہ آہوں میں اثر مانگ — اللہ سے کچھ اور نہ جز حسن نظر مانگ
فولاد کا دل گردہ نہ پتھر کا جگر مانگ — ہے مانگ ہی مقصد تو محبت کے حذر مانگ
حیرت کے تماشے کی اگر سیر ہے منظور — دو دن کیلئے رہنے کو آئینہ سے گھر مانگ

خواہش نہ رہے دل میں سپید و سیہ کی
اے مانگنے والے یہ دعا شام و سحر مانگ

اک دل کے لئے اتنی اداؤں کی ضرورت
جی چاہے تو ہم سے یونہیں شعبدہ گر مانگ

بے ذوق نظر حسن کی کیا قدر ہو زاہد
اللہ سے گر حور تو ہم سے بھی نظر مانگ

اب تو کبھی آنچل کو بھی رہنے نہیں دیتی
اللہ رے غرور اتنی چڑھی ہے تری سر مانگ

سر اپنا ہتھیلی پہ لئے جاتے ہیں کیفی
بازار محبت میں وفا کی ہے مگر مانگ

ل

یہ تھا گلشن میں کل شور عنادل
اٹھا سکتا نہیں رنج عنا دل

ابھی تھا یا الٰہی کیا ہوا دل
مگر پہلو سے کوئی لے گیا دل

نشانی دے ہمیں اپنی انگوٹھی
تجھے دیتے ہیں ہم حسرت بھرا دل

تجھ سے ملی جس وقت فرصت
مرے قابو سے پھر جاتا رہا دل

خبر کیا آپ کو درد جگر کی
مرا اللہ جانے یا مرا دل

مثل مشہور ہے دشمن بغل میں
مجھے بدنام کرتا ہے مرا دل

ترے جور و ستم پر بھی فدا ہے
ارے ظالم ہمارا بے وفا دل

رہے یارب سلامت تا قیامت
نظام الملک آصف جاہ عادل

چلو کیفی خرابات مغاں میں
کہ مسجد سے بہت اکتا گیا دل

نہ دے انسان کو پہلے خدا دل — اگر دے بھی تو دے صبر آشنا دل
ہوا ہے خوگرِ سہو خطا دل — بنا ہے مظہرِ عفوِ خدا دل
تمھیں زیبا نہیں منہ دیکھے کی باتیں — نہیں ہے اپنا صورت آشنا دل
گرانی ہائے سنگ جورِ معشوق — اٹھا سکتا نہیں یارب مرا دل
تدابیر خود اللہ حافظ — جنوں کے ہتکنڈوں میں آگیا دل
نہیں دل سے عبارت مضغۂ گوشت — جسے کہتے ہیں دل ہے دوسرا دل
خیالِ ذوقِ آرائش کہاں ہے — خدا شاہد ہے سب سے بھر گیا دل
نثارِ خالِ ہندوئے بتاں جاں — فدائے زلفِ یارِ عشوہ زا دل
شناور ہے جگر دریائے خوں میں — مصافِ غم میں جرأت آزما دل

ترحم ضبط بس اب خاتمہ ہے
ایک آہ نیم کش کا رہ گیا دل

م

مر جائیں زہر اے ستم ایجاد کھا کے ہم — کب تک جئیں غمِ دلِ ناشاد کھا کے ہم
سمجھے نہ اس شراب سے بجھتی نہیں ہے پیاس — خوش ہیں فریبِ عالمِ ایجاد کھا کے ہم
ہر ایک کو کھلائیں گے ہم ان سے گالیاں — ڈالیں گے ایسے کھانے کی بنیاد کھا کے ہم
محرومِ وصل تو نہ ہوں گمنام ہوں تو ہوں — مشہور ہوں نہ تیشۂ فرہاد کھا کے ہم
مجنوں کی طرح ایک ہی دُھن میں پھنسے رہے — سنبھلے نہ تازیانۂ استاد کھا کے ہم

رنگین بیان واعظ مغرور سن چکے — آئے ہوائے گلشن شداد کھا کے ہم
مجبوریاں ہیں ورنہ کبھی چپ نہیں رہے — جھڑکی کسی کی اے ستم ایجاد کھا کے ہم
ہستی کہاں ہے اتنی کہ توڑیں ہزار بار — سوگند جان عاشق ناشاد کھا کے ہم
اے کاش جانتے کہ ہے دھوکا یہ یادگی — ہوتے تری ہوا میں نہ برباد کھا کے ہم
تاثیر اور دانۂ گندم کی کیا کہیں — قید جہاں سے ہو گئے آزاد کھا کے ہم
ہم تو تمھاری تیغ ادا کے قتیل ہیں — مرتے ہیں زخم خنجر فولاد کھا کے ہم
سائل کو سیر نعمت دیدار سے تو کر — ہاں عمر بھر کریں گے تجھے یاد کھا کے ہم
اب ایک چپ میں اپنی ہے سوقوت فغاں — بیٹھے ہیں مغز نالہ و فریاد کھا کے ہم
شکوہ ہو کیا وفا ہے گلوگیر درد دل — رہ رہ گئے ہیں کاوش بیداد کھا کے ہم
کس کو نصیب اس لب نازک کی گالیاں — کھاتے ہیں اور بھی ہو جو ارشاد کھا کے ہم
ٹکڑے کریں گے اور دل لخت لخت کے — کاٹیں گے قید عمر کی میعاد کھا کے ہم
تیلی قفس کی بند رہے یا کھلی رہے — اڑ جائیں گے نہ دانۂ صیاد کھا کے ہم
پھر ہم وہی گلی ہے وہی قصد تو یہ تھا — ٹھوکر نہ کھائیں اے ستم ایجاد کھا کے ہم
ہم سا بھی سخت جاں ہوا ہے نہ کوئی ہو — گرہ جیتے ہیں داغ فرقت استاد کھا کے ہم

کیفی کہیں گے بادۂ اطہر کی کیفیت
پلٹیں جو دعوت عدم آباد کھا کے ہم

ن

آرزو ہے نہ تمنا ہے نہ ارماں دل میں
اب تو ظالم! تری حسرت بھی ہے مہماں دل میں

اڑتی ہے خاک کدورت مرے ویراں دل میں
میزباں دل میں رہا کوئی نہ مہماں دل میں

زلفِ پُرخم میں دل آویزِ پریشانی ہے
آپ آئے تھے مگر میرے پریشاں دل میں

عالمِ نزع ہے یا ترکِ تعلّق کا خیال
یاس امید سے، ہے دست و گریباں دل میں

کہہ رہا ہے کہ محبت نہ کریں گے اب سے
یا الٰہی! کوئی بڑ بول ہے پنہاں دل میں

ایک زنجیر کے وابستہ ہیں آزاد و اسیر
ہے عجب طرفہ طلسمات کا زنداں دل میں

کثرتِ یاس سے کم داغِ تمنا نہ ہوا
نظر آتا ہے چراغ تہ داماں دل میں

بے سبب بھی کوئی بے چین رہا کرتا ہے؟
کچھ نہ کچھ ہے اثر کاوشِ مژگاں دل میں

امتحاں آج ہے تیری قدر اندازی کا
تیر سینے میں رہے تیر کا پیکاں دل میں

اس سے انصاف ستم ہائے محبت کی امید
جس کی آنکھوں میں مروت ہے نہ ایماں دل میں

داد جی کھول کے ہم جوشِ جنوں کی دیتے
کاش ہوتا کوئی سنسان بیاباں دل میں

ڈھونڈ لیں گے کوئی ہم موت کا حیلہ ظالم
ہونے دیں گے نہ کبھی تجھ کو پشیماں دل میں

مٹ گئے داغ مگر اُن کے نشاں باقی ہیں
یعنی آباد ہے اک شہرِ خموشاں دل میں

خدا کی یہ خدائی ہے حسیں اکثر نکلتے ہیں
مگر کیفیؔ! کہیں ایسے پری پیکر نکلتے ہیں

ہزاروں منتوں پر گھر سے وہ باہر نکلتے ہیں
بڑی مشکل سے ارمان دلِ مضطر نکلتے ہیں

کہاں کی آہ کیسے اشک اب ہم ضبط کرتے ہیں
نکلنے دو اگر قبضے سے بحر و بر نکلتے ہیں

ہمارے قتل کے ساماں ہوتے ہیں وہاں کیا کیا
کبھی تیغیں نکلتی ہیں کبھی خنجر نکلتے ہیں

وہ کہتے ہیں کہ تیری بات میرے دل میں چبھتی ہے
نکلتے ہیں زباں سے حرف یا نشتر نکلتے ہیں

بہار تازہ آئی ہے بلا نوشوں کا مجمع ہے
تھی میخانے سے جام و سبو ساغر نکلتے ہیں

مری حالت پہ روتے ہیں چھپا کر منہ نصیحت گر
اب ایسے خشک مغزوں کے بھی دامن تر نکلتے ہیں

نکل آئے ہیں ساقی اس طرف لا او تھوڑی سی
اگرچہ دام پہلے کے بھی کچھ ہم پر نکلتے ہیں

نہیں معلوم یہ کس دل جلے کا ڈھیر ہے یارب
کہ آتش پارے اب تک زیر خاکستر نکلتے ہیں

جلا یا دور ہی سے چھینٹے دے کر مجھ کو ساقی نے
شرارے آتش سیال سے کیوں کر نکلتے ہیں

دکھائی کچھ نہیں دیتا کہ اک دیوار حائل ہے
بجائے اشک آنکھوں سے مری پتھر نکلتے ہیں

جسے کہتے ہیں عاشق وہ نہیں ملتا ہے ڈھونڈے سے
مری جاں چاہنے والے تو یوں اکثر نکلتے ہیں

مرے نالے مرے آنسو ہیں میں کس کو فضیلت دوں
کہ وہ ان سے سوا اور ان سے وہ بہتر نکلتے ہیں

کہا میں نے سناؤں ماجرا اپنا تو فرمایا
گئے گزرے ہوئے وقتوں کے پھر دفتر نکلتے ہیں

یہ کیا حجت ہے اے ساقی نہ لینا اک دینا دو
خوشی سے مانگ لے یوں دام کب ہم پر نکلتے ہیں

بلا ہیں چھوٹے چھوٹے تیرے گیسو او بت کمسن
بڑے ہو کر یہی کافر تو غارت گر نکلتے ہیں

ٹپکتے ہیں جو قطرے خون زخم سنگ طفلاں سے
سمجھ کر لعل اٹھاتا ہوں مگر پتھر نکلتے ہیں

غرور اور اس قدر پھر بچپنے کے ملنے والوں سے
جواں ہوتے ہی کیا سرخاب کے کچھ پر نکلتے ہیں

اترتی ہیں ہمارے اضطراب شوق کی نقلیں
وہ عاشق بن کے دل تھامے ہوئے مضطر نکلتے ہیں

رہائی دام کاکل سے ہماری ہو چکی کیفیؔ
نکالے سے کہیں تقدیر کے چکر نکلتے ہیں

تکلف کیا ہے میرے گھر کو اپنا گھر بنانے میں
کہ تکلیف آپ کو ہوتی ہے ہر روز آنے جانے میں

رہائی پا کے ہم دم چھوڑتے ہیں قید خانے میں
رہے یہ بعد اپنے۔ یادگار اپنی زمانے میں

پہیلی اک نئی ہوتی ہے تیرے ہر بہانے میں
کہ اس کا بوجھنا بھی دیکھنے میں مونہ کھانے میں

نری مجذوب کی بڑ ہی یہ سمجھو سن تو لو آخر
بہت سی کام کی باتیں بھی ہیں میرے فسانے میں

دیا ہے عشق جس کو صبر بھی تھوڑا سا دے اسکو
الٰہی اب ہے کمی کس چیز کی؟ تیرے خزانے میں

بنایا مجھ کو بے صبر اس قدر کیوں کیا کہوں ہے سچ
نہیں ہے دخل بندے کو خدا کے کارخانے میں

ہمیشہ کے لئے سائے میں گل کے سو گئی بلبل
یہ کس کو ڈھونڈھتی ہے آتش گل آشیانے میں

عدو کا خرمن امید کیوں جلتا نہیں یارب
جھلک برق بلا کی ہے کسی کے مسکرانے میں

پرانی صحبتوں کا حال سن کر دل بھر آتا ہے
ہمیں پیدا کیا کیفی! خدا نے کس زمانے میں

مانتا ہوں کہ مجھے تاب نظارا تو نہیں
دور ہی رہتے مگر یہ بھی گوارا تو نہیں

کیوں خفا ہوتے ہو مجھ مست پہ اے حضرت شیخ
میں گنہ گار خدا کا ہوں تمہارا تو نہیں

آپ فرمائیے! کچھ وجہ گرفتاری دل
ظاہرا کوئی قصور اس میں ہمارا تو نہیں

کون دیتا ہے تسلی ہمیں تنہائی میں
خلوت خاص میں وہ انجمن آرا تو نہیں

دل کسی کا، نہیں ملتا، نہیں ملتا ہم سے
غیر کی ملک ہے، کچھ اپنا اجارا تو نہیں

دولتِ وصل ملے، یا درم داغِ فراق — دل فروشوں کی تجارت میں خسارا تو نہیں
اے منجم تری ہاتوں سے ہو کیوں کر تسکیں — جو نہو چرخ میں وہ میرا ستارا تو نہیں
خالِ ہندو کو ترے کعبۂ دل دیتا ہوں — میرے قبضے میں، سمرقند و بخارا تو نہیں
غیر سے آنکھ تری، دیدہ و دانستہ لڑی — کچھ افسانۂ اسکندر و دارا تو نہیں
جس کو ہم سمجھے ہوئے ہیں شبِ تاریکِ فراق — شاہدِ صبحِ قیامت کا اتارا تو نہیں
کیا بگاڑے گا بگڑ کر فلکِ سفلہ نواز — پاس اپنے علم و طبل و نقارا تو نہیں
تو ہی کچھ، رحم مرے حال پہ کر ساتھ نہ چھوڑ — بیقراری مجھے اب صبر کا یارا تو نہیں
دیکھتے ہیں وہ کبھی مجھ کو، کبھی آئینہ — ان اداؤں میں کوئی خاص اشارا تو نہیں
دل، محبت میں تڑپتا ہے، مگر کیا اتنا — میرے سینے میں الٰہی! کہیں پارا تو نہیں
آفریں ہمتِ پروانۂ جاں باز پہ ہو — گو وہ جیتا نہ رہا شمع سے ہارا تو نہیں
اثرِ عشق سے، شاید کوئی مرتا ہوگا — اس زمانے میں کہیں ہانکا پکارا تو نہیں
رزق، ہر حیلے سے دیتا ہے خداوند کریم — منحصر نظم پہ کچھ اپنا گذارا تو نہیں
کس مپرسی کا تقاضا خفقان کی ہے صلاح — اب سوا ترکِ وطن کے کوئی چارا تو نہیں

چھوڑ کر تجھ کو، کہاں جائے یہ کیفی ساقی
تیری بھٹی کے سوا کوئی سہارا تو نہیں

جگہ ہے بوالہوسوں کی دلِ ستمگر میں — خبر نہ تھی کہ ہے پوشیدہ آگ پتھر میں
نہیں ہے قطرۂ مے تک ہمارے ساغر میں — نہ ہے نصیب کہ گردش تو ہے مقدر میں

کبھی ہوی ہے ہو شان انقلاب سے کم — تمام عمر رہے آسماں چکر میں
دکھائی دے مجھے کس طرح سے نشیب و فراز — نگاہ چھوڑ کر آیا ہوں روزنِ در میں
عجب نہیں ہے کہ بس جائے منفعت کا دماغ — کہ بوئے عطرِ ندامت ہے دامنِ تر میں
چلا ہے مجھ پہ، رقیبوں پہ کیوں نہیں چلتا — مرا لہو ہے کہ مہندی ہے پائے خنجر میں
خوشی سے کرتے ہیں پردہ کہ شرمِ وضع رہے — ہم اپنے گھر سے ہیں باہر کہ عید ہے گھر میں
تمہاری چشمِ سخن گو تو مار ڈالے گی — کہ خوب بول رہی ہے زبانِ خنجر میں
ستم ظریف! محبت نما نظر سے نہ دیکھ! — نہ یہ جتا کہ "ہے مرہم بھی تیر کے پر میں"
یہاں سے کچھ عدم آباد دور بھی تو نہیں — کہ مرنے والے پہنچتے ہیں کوئی دم بھر میں
وفورِ ذرہ نوازیِ حضرتِ خورشید — بتا! سفر میں ہوں "دہلی" کے یا ہوں میں گھر میں

یہاں تو پوچھنے والا نہیں کوئی کیفی
خدا ہی پوچھنے والا ہے وہ بھی محشر میں

زہے قسمت کہ میں ناخواستہ مہمانِ حسرت ہوں — الٰہی! بے خطا تقصیر وارِ شکرِ نعمت ہوں
میں اک گم گشتہ حالِ ہستیِ لاشئے کی حجت ہوں — مری قسمت کو حیرانی یہ ہے میں کس کی قسمت ہوں
حقیقت کیا ہے میری فی الحقیقت بے حقیقت ہوں — اگر سمجھو تو عزت ہوں نہ سمجھو تو مذلت ہوں
اگرچہ دور افتادہ ہوں لیکن اہلِ نسبت ہوں — کہ دامن کی ترے جھٹکی ہوئی گردِ کدورت ہوں
شہیدِ خاطرِ ارمانِ خوں گشتہ کی تربت ہوں — کہ میری خاک کہتی ہے کہ میں اکسیرِ کلفت ہوں
محبت گاہ میں ہر روز و ہر شب وقفِ حیرت ہوں — میں اپنے کام کی ساعت تمہارا وقتِ صحبت ہوں

مجھے ہر رنج میں لذت خوشی سے بڑھ کے ملتی ہے — مگر میں یا الٰہی! عین مقصود مسرت ہوں
میں اپنے آپ پر ہرگز تصرف کر نہیں سکتا — کسی کی سامنے رکھی ہوئی گویا امانت ہوں

نہ میں مقدور والا ہوں نہ میں مجبور ہوں کیفی
خدا رکھّے مجھے میں بھی خدا کی ایک قدرت ہوں

بدنام ہوں ذلیل ہوں رسوا ہوں خوار ہوں — سب کچھ ہوں میں۔ مگر ترا امیدوار ہوں
میں اور ترا عشق! یہ سچ ہے نہ جھوٹ ہے — تو خاکسار دوست ہے میں خاکسار ہوں
وعدہ خلافیوں کی شکایت تو اک طرف — لو! آپ کی طرف سے بھی میں شرمسار ہوں
اے غیرتِ وجود! اٹھا دے مرا وجود — کہتا ہے مجھ سا ناشدنی بار بار "ہوں"
اے عشق! میں نے دل میں چھپائے ہیں تیرے داغ — تو میرا پردہ در ہے میں ترا پردہ دار ہوں
سینے میں حضرتِ دل مرحوم دفن ہیں — میں اک شکستہ حال نشانِ مزار ہوں
دنیا میں پاسِ خاطرِ دل سے سبک ہوا — پھر آپ اپنی خاطرِ نازک پہ بار ہوں
یہ سینہ اور اُن کی مژہ کی خلش غلط؟ — میں آپ اپنے آبلۂ دل میں خار ہوں

کیفی کسی سے اپنی حقیقت میں کیا کہوں
اک تختۂ مشق قدرتِ پروردگار ہوں

خلافِ طبعِ نازک کرتے ہیں جو کام کرتے ہیں — تمھارے چاہنے والوں کو ہم بدنام کرتے ہیں
نہ فکرِ ہجر میں حیرت نہ ذکرِ وصل میں لذت — نہ ہنس کر صبح کرتے ہیں نہ رو کر شام کرتے ہیں
نہ ہنسنے کا سلیقہ ہے نہ رونے کا طریقہ ہے — غرض ہر کام بے اندیشۂ انجام کرتے ہیں

نظر بازی کسی کی چشمِ فتاں سے کچھ آساں ہے
بڑی تدبیر سے وحشی ہرن کو رام کرتے ہیں

ہمارا گریہ بے سود کیا ہے جگ ہنسائی ہے
کہ اپنا وقت صرفِ ادعائے خام کرتے ہیں

یہ آنکھیں اور شوقِ دید؟ یہ دل اور وصل کی امید؟
خیالات ایسے ایسے آپ کے ناکام کرتے ہیں

ہمارا کام کیا، ہم کیا، ہمارا نام کیا، ہم کیا؟
وہ اپنا کام کرتے ہیں ہمارا نام کرتے ہیں

ترے لطف و کرم نے کر دیا گستاخ اس درجہ
کہ ہم اپنی خطا پر خواہشِ الزام کرتے ہیں

اِدھر احساں پہ احساں ہیں اُدھر عصیاں پہ عصیاں ہیں
وہ اپنا کام کرتے ہیں ہم اپنا کام کرتے ہیں

اثر فریاد میں کچھ ہے نہ اندوہِ نہانی میں
تمھیں ہم یاد بھی شاید برائے نام کرتے ہیں

یہ مستی اور پھر یہ بت پرستی حضرتِ کیفی!
بھلے مانس اسی پر دعوئے اسلام کرتے ہیں

قیامت کی کشش ہے تیری ڈورے دار آنکھوں میں
کہ کھنچ آتی ہے جانِ طالبِ دیدار آنکھوں میں

مہکنے کو گلِ داغِ محبت دل میں ہے اپنے
کھٹکنے کو ہے خارِ حسرتِ دیدار آنکھوں میں

کبھی فرصت جو ملتی ہے تو تیری راہ تکتا ہوں
فقط اب رہ گئے ہیں زیست کے آثار آنکھوں میں

ہوئی نذرِ جنوں جیبِ گریباں آستیں اپنی
لگا رکھے ہیں ہم نے آنسوؤں کے تار آنکھوں میں

مرے پیشِ نظر ہے رات دن اک شوخ کا جلوہ
کہو آئے نہ نیند اب کیسے مری بیدار آنکھوں میں

وہ آنکھوں آنکھوں میں کہنے کی باتیں کہہ گزرتے ہیں
کہاں سے آ گئی ہے قوتِ گفتار آنکھوں میں

کوئی دیکھے تمھارے دیکھنے والے کی کیفیت
لہو میں جوش ہے دل میں محبت پیار آنکھوں میں

ہزاروں بار سے اک اچھی آنکھیں ہم نے دیکھی ہیں
مگر آنکھیں ہیں تیری لعبتِ عیار آنکھوں میں

ملا کر آنکھ، دل لیتا ہے بائیں ہاتھ کا کرتب — سوا اس کے بھرے ہیں بیشمار اسرار آنکھوں میں
ہم اپنا دل دیا کرتے ہیں اچھی آنکھ والوں کو — وہی تحریر اچھی ہوتی ہے جچے جو چار آنکھوں میں
سمجھتے ہو جسے تم مردمک وہ مردمک کب ہے — ہوا ہے جمع دور آتش رخسار آنکھوں میں

اُسے ذلت کی پروا ہے نہ بدنامی کا اندیشہ
اگر کیفی کی عزت ہے تری سرشار آنکھوں میں

ہماری طرح نا اہلوں کو کیوں ناحق ستاتے ہیں — شکایت آپ کی سن سن کے ہم شرمائے جاتے ہیں
کوئی ہم سا بلاکش آپ نے دنیا میں دیکھا ہے — کہ کیسے سنگدل کو اپنے سینے سے لگاتے ہیں
غرور عشق بڑھتا ہے تری بے اعتنائی سے — کہ لوگ اک امتیاز خاص ہے ہم کو بتاتے ہیں
بگڑ کر ہم نے کب امید کی تجھ سے منانے کی — ادھر تو دیکھ او نا منفعل ہم مسکراتے ہیں
یہ چلتے چلتے اڑ جانا یہ من من کر بگڑ جانا — ترے انداز اب گستاخیاں ہم کو سکھاتے ہیں
کہاں کا قول کیا اقرار کیسا عہد وعدہ کیا — یہ سب کہنے کی باتیں ہیں وہ آتے ہیں نہ جاتے ہیں
ہو پاس سخن جس کو وہ انساں کوئی انساں ہے — وہی ہیں مرد جو کہتے ہیں منہ سے کر دکھاتے ہیں
محبت کس کو کہتے ہیں محبت اک کسوٹی ہے — ہر اک کو چاہ کر ہم اپنے دل کو آزماتے ہیں

فریب عشق، اہل حسن پر چلتا ہے یوں کیفی
کہ پہلے اپنے معشوقوں کو ہم عاشق بناتے ہیں

۲۹-۱۲-[illegible]

میری چپ کھٹکی دل اغیار میں — بولتا ہوں کیا زبانِ خار میں
ہے دوائے دردِ دل بازار میں — کون جائے مجمعِ اغیار میں

یار دل میں ہم خیالِ یار میں | اور ہیں رسوائیاں بازار میں
دونوں شامل ہیں مرے آزار میں | فرق ہے پھر یار میں اغیار میں
مر گئے ہم اک نگاہِ یار میں | کیا ملا تھا شربتِ دیدار میں
اک ہوا تھی شوقِ سیرِ گل نہ تھا | اب بہار آیا کرے گلزار میں
ہائے ہم نے لطفِ صحبت کھو دیا | حجتوں میں بحث میں تکرار میں
خضر کی بھی زندگی مشہور ہے | ہم بھی جیتے ہیں فراقِ یار میں
جس ہوا سے غنچہ ہائے دل کھلیں | وہ ہوا چلتی نہیں گلزار میں
دم نکلتا ہے تو نکلے شوق سے | جان جاتی ہے تو جائے پیار میں
مسکرانے کا تو کیا کہنا، مگر | یہ کوئی اقرار ہے اقرار میں
کیوں نہ رسوائی مری جھنڈے چڑھے | اب سما سکتی نہیں بازار میں
ہے وہی دل کی امیدیں برقرار | کچھ نہ کچھ فی ہے ترے انکار میں
اب کہاں جائیں قفس کو چھوڑ کر | رہ چکے ہیں مدتوں گلزار میں
لختِ دل سب باندھ کر رکھ لوں مگر | دم نہیں ہے آنسوؤں کے تار میں
دل ہمارا لے لیا اچھا کیا | شوخیاں کم تھیں نگاہِ یار میں

آج تو کیفی کی صورت دیکھ لی
نام دیکھا تھا کسی اخبار میں



و

خدا شاہد نہیں اندیشۂ سود و زیاں مجھ کو
تردد بیش و کم کا ہے نہ فکر این و آں مجھ کو

بنایا ہے مری غفلت نے جنس رائگاں مجھ کو
کروں خدمت کسی کی حوصلہ اتنا کہاں مجھ کو

مجھے غم ہے تو یہ غم ہے کہ غمگیں دوسرے کیوں ہیں
وگرنہ جتنا جی چاہے ستالے آسماں مجھ کو

نہیں کھلتا الٰہی اس سے کیا مطلب ہے یاروں کا
سنانے ہیں مجھی سے سن کے، میری داستاں مجھ کو

طبیعت دے تو ایسی دے الٰہی جس سے میں خوش ہوں
اگر دل دے تو ایسا دے جو رکھے شادماں مجھ کو

ہجوم گل مری رخصت کا ساماں کر چکا ہوگا
سلام اب تک تو ہے جھک جھک کے شاخ آشیاں مجھ کو

ارادہ تو بہت کچھ تھا۔ مگر اب کیا کہوں تم سے
سنبھلنے ہی نہیں دیتیں مری بیتابیاں مجھ کو

یکایک آزماتے وہ تو میرا حال کھل جاتا
نہ ہوتی کاش پہلے اطلاع امتحاں مجھ کو

میں اس بے قدری عہد وفا کی قدر کرتا ہوں
کہو تم شوق سے اے مہرباں نامہرباں مجھ کو

سفر کی لذت آمیز آفتوں سے رخصت اے وحشت
وطن میں ڈھونڈھتی پھرتی ہیں رسوائیاں مجھ کو

مزے اصرار کے انکار کے۔ دونوں کو آئیں گے
اگر میری زباں تجھ کو ملے تیری زباں مجھ کو

نئی سوجھی شریک بزم بھی رکھا تو یوں رکھا
جتایا، اعتبار اپنا بنا کر پاسباں مجھ کو

وہ روٹھا ہے ذرا اس کو منا دو حضرت ناصح
بڑے سمجھانے والے آئے ہیں حضرت یہاں مجھ کو

کوئی گلچیں کے دامن میں کوئی صبا کے گھر میں
نہ گلشن گل کو راس آیا نہ میرا آشیاں مجھ کو

بظاہر میکدے سے دور ہوں میں اب مگر کیفی
نہ بھولا ہے نہ بھولے گا مرا پیر مغاں مجھ کو

دوستی نبھ جائے اُن سے ابتدا ایسی تو ہو
ابتدا ایسی نہ ہو تو، انتہا ایسی تو ہو

ہم میں اور اُن میں محبت یا خدا ایسی تو ہو
جو نہ وہ بول اٹھے پھر وفا ایسی تو ہو

رحم اس بے رحم کو آجائے مجھ کو دیکھ کر
کچھ قصور ایسا تو ہو کوئی خطا ایسی تو ہو

وجد میں ہوں اہلِ نظارہ، ملے قاتل کو داد
کچھ تڑپ اے کشتۂ تیغِ ادا ایسی تو ہو

تشنہ پھر جائے سکندر، آپ خود سیراب ہوں
رہنمائی واہ خضر رہنما ایسی تو ہو

وہ یہ کہتے ہیں کہو اب ہم نہ چاہیں گے تمہیں
جی پھڑک اٹھا ہمارا بھی خفا ایسی تو ہو

عرضِ مطلب پر یہ شوخی و تبسم دیکھنا
خامشی میں بذلہ سنجی کی ادا ایسی تو ہو

باہمی تکرار یارب ہوتے ہوتے رہ نہ جائے
کچھ مزا آجائے آپس میں ذرا ایسی تو ہو

ہم مریضِ ہجر ناحق مرتے مرتے بچ گئے
اب کے ایسا تو نہ ہو کوئی دوا ایسی تو ہو

مدعا دونوں کا ہے معلوم دونوں کو مگر
گفتگو سے بھی ہو واضح۔ برملا ایسی تو ہو

دل کی دل میں گھٹ کے رہ جائے تو پھر اک بات ہے،
آہ لب تک بھی نہ آئے نارسا ایسی تو ہو

بخشنے والے کو، اپنی ایسی بخشش پر ہو ناز
یا الٰہ العالمیں مجھ سے خطا ایسی تو ہو

تمکنت میں سادگی اعجاز میں سنجیدگی
ناز میں انداز شوخی میں ادا ایسی تو ہو

کوچۂ قاتل میں مجھ کو گھیر کر لائی ہے یہ
جیتے جی جنت میں پہنچا دے قضا ایسی تو ہو

می جہاں اڑتی تھی کیفی اب وہاں اڑتی ہے خاک
پھر وہ دن آئے۔ زمانے کی ہوا ایسی تو ہو

فریبِ حسن و لافِ عشق نے رسوا کیا مجھ کو
مرے نا عاقبت اندیش دل نے کھو دیا مجھ کو

مہ و معشوق کی ہے قدر زاہد سے سوا مجھ کو
فرشتو! سچ کہو اس کو ملے فردوس یا مجھ کو

جہاں تک ہو سکے تم ہی کہے جاؤ برا مجھ کو
کبھی میں یہ نہ پوچھونگا کہ تم نے کیا کہا مجھ کو

مدد اے ناامیدی! آرزو ہے آب حیواں کی
جناب خضر سا مل جائے کوئی رہنما مجھ کو

بہت اترائے جاتے ہیں، بڑا احسان جتاتے ہیں
عدو کو، گالیاں دیں آپ نے تو کیا ملا مجھ کو

نہیں ڈر جان جانے کا مگر ڈر ہے تو یہ ڈر ہے
کہلوائے نہ یہ بے داد! تیری بیوفا مجھ کو

خدا کی دین ہے اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے
دیا بیدرد دل تجھ کو دل درد آشنا مجھ کو

نہ وحشت ہے نہ سودا ہے یہ پھر آوارگی کیسی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا الہی! کیا ہوا مجھ کو

لگاوٹ کی نگاہیں تاڑ لیں گے تاڑنے والے
قیامت ہے بھری محفل میں تیرا دیکھنا مجھ کو

وہ وحشت اور ضبط آہ و فریاد و فغاں ہے ہے
اڑائے چٹکیوں میں کیوں نہ جنگل کی ہوا مجھ کو

یہ بیدردی یہ بے قدری یہ بے مہری یہ بیزاری
نہیں سمجھا میں اب تک آپ نے سمجھا ہے کیا مجھ کو

دل اپنا صاف کر کے توڑتا ہوں سنگ الفت سے
مگر منظور ہے آئینۂ عبرت نما مجھ کو

محبت نے بڑھایا حوصلہ اتنا کہ کہتا ہوں
تمھارے دیکھنے والوں میں ہوں میں دیکھنا مجھ کو

بہار آئی ہے کیفی اب کہیں رکتا ہوں پینے سے
سمجھتے تھے جو اب تک اب نہ سمجھیں پارسا مجھ کو



جیسی نبھے نبھائیں گے اس فتنہ گر کے ساتھ
ہے زندگی بخیر تو چھوڑیں گے مر کے ساتھ

تو کر مقابلہ فلک کینہ ور کے ساتھ
بے داد گر کی جوڑ ہے بے داد گر کے ساتھ

شوخی نہ شرم ۔ یہ بھی نرالی ہے دل لگی
تم ہم سے منہ چھپاتے ہو آرام کر کے ساتھ

دل چاہئے مرا تو یہ حاضر ہے لیجئے!
پڑتے ہیں لاکھ کام بشر کو بشر کے ساتھ

مجھ کو شفا ہو تم سے کوئی بدگماں نہ ہو
بہر عیادت آؤ مرے چارہ گر کے ساتھ

وہ ہم سے اور ہم ہیں زمانے سے بے خبر
کس بے خبر کی میل ہے کس بے خبر کے ساتھ

رونے کے ذکر پر ہمیں آتی ہے اب ہنسی
وہ بات چشم تر کی گئی چشم تر کے ساتھ

جو لوٹتے ہیں دولت دیدار اُن پہ لوٹ ہوں
لٹتا ہوں میں تو مفت تمھاری نظر کے ساتھ

اس وقت بزم یار سے ہم کو بھی اے اجل
پروانگی ملی ہے چراغ سحر کے ساتھ

یا رب یہ ظلم ہم سے تو دیکھا نہ جائے گا
آنکھیں ہوں بند روزن دیوار و در کے ساتھ

یاد آگیا ہے صبح شب وصل کا سماں
جاتی ہے جان، نالۂ مرغ سحر کے ساتھ

چھوڑا جب اُس نے ساتھ ہمارا تو ہم کو کیا
اب ساتھ زید کے وہ رہے یا بکر کے ساتھ

تاثیر جذب دل میں تھی خوش سلیقگی
خط دیکھتے ہی آگئے وہ نامہ بر کے ساتھ

میں دیکھ لوں گا ان کو جنھیں دیکھتا ہے تو
میری نظر بھی رہتی ہے تیری نظر کے ساتھ

کچھ مانگنے کو میں نے اٹھائے نہیں ہیں ہاتھ
کہتا ہوں خیر باد دعا کو اثر کے ساتھ

مجھ کو خبر نہیں ہے مجھے کس کی تلاش ہے
ہوں راہزن کے ساتھ کبھی راہبر کے ساتھ

طوفان اشک نے نہ نکلنے دیا ہمیں
بیٹھا ہی گھر تو بیٹھے ہیں ہم اپنے گھر کے ساتھ

کیفی وہ رات بھر کے نشے ہو گئے ہرن
دل اپنا بجھ گیا ہے چراغ سحر کے ساتھ

ی

کی ہے کچھ تقلید انداز خرام یار کی
چال خود بتلا رہی ہے کج کج رفتار کی

رو کش خلد بریں دیوار، بام یار کی
چشم تر تفسیر تجری تحتہا الانہار کی

طالب جنت ہو وہ آوارہ یارب کس طرح
جو نہ لے منت کسی کے سایۂ دیوار کی

تم کھلے بندوں پھرو اور ہم مقید ہی رہیں
واہ کیا اچھی ہوں پابندیاں اقرار کی

فرط رسوائی میں ایک گونا مزا ملنے لگا
چھیڑ کر، کھانے لگے ہم گالیاں بازار کی

ہم صفیران عدم سوتے ہیں کیا آرام سے
کتنی ٹھنڈی چھاؤں ہے قاتل تری تلوار کی

ہائے اب بھی پانو سے مہندی نہیں چھٹتی غضب
یاں تو نبضیں چھٹ گئیں ظالم ترے بیمار کی

پنجۂ وحشت کے ناخن بڑھ گئے آئی بہار
دھجیاں اڑنے لگیں پھر زخم دامن دار کی

گوش میں دیوار و در کو رشک سے منہ بند ہے
داستاں کس کو سناؤں اشتیاق یار کی

دل یہ کہتا ہے کہ "ذکر العیش نصف العیش ہے"
عقل کہتی ہے کہ اس کی آرزو بے کار کی

انقلاب دہر جاتا ہے کنواں پیاسوں کے پاس
آبلوں کو جستجو ہے وادئ پر خار کی

بخش دیتا ہوں میں اس کو اپنی آنکھوں کا ثواب
طرح ڈالی جس نے یارب حسن کے بازار کی

وہ امنگیں مٹ گئیں وہ ولولے جاتے رہے
ہائے کیفیؔ! کیا کہیں طاقت نہیں گفتار کی

ہر اک سے مل کے رہتی ہے الگ طرز بیاں میری
اکیلی پھرتی ہے بتیس دانتوں میں زباں میری

کہاں ایسا مقدر یاریابی ہو وہاں میری
وہ آئیں میرے گھر اتنی بڑی قسمت کہاں میری

زباں زد مثل عنقا ہو گئی ہے داستاں میری
کہاں پہنچائیں وحشت نے اڑا کر دھجیاں میری

فقط اک شغل بیکاری ہے فریاد و فغاں میری
نہ مانا ہے نہ مانے گا کبھی یہ آسماں میری

عدو کا روز روشن تیرہ و تاریک ہو جائے
زمانے میں ہوا باندھے جو آہوں کا دھواں میری

جواب خط میں چکنی چپڑی باتیں اس نے لکھی ہیں
الٰہی آج تو گھی میں ہیں پانچوں انگلیاں میری

زبان حال سے کہتا ہے گل گلچیں کے دامن میں
کرے گا جستجو کیا کیا چمن میں باغباں میری

تو افسردہ نہ ہو اے آتش گل پھونک دے اس کو
بسر ہو جائے گی کچھ دن یونہی بے آشیاں میری

کوئی پرساں حال اپنا نہیں لیکن خدا رکھے
فقط اک کس مپرسی رہ گئی ہے قدرداں میری

زہے قسمت بگڑ کر بھی بن آتی ہے عجب صورت
شکست رنگ رخ سے ہیں عیاں رنگینیاں میری

ہو جاؤں کہیں آزاد دشمن کی اسیری سے
الٰہی کٹ نہ جائیں اپنے دل میں بیڑیاں میری

در زنداں سے باہر کب ہوئیں اس ناتوانی پر
عجب کچھ وضع کی پابند ہیں پرچھائیاں میری

ترقی ہوتی ہے جس وقت میں پہلو بدلتا ہوں
بنی ہیں نردبان درد دل یہ پسلیاں میری

میں وہ بے تاب ہوں مجھ کو کہیں پایا نہ بجلی نے
بہت کی جستجو گرد و نواح آشیاں میری

کچھ اس نے یاد کر لی ہے کچھ اس کو یاد کرنی ہے
ہوئی ہے جا بجا سے ٹکڑے ٹکڑے داستاں میری

سوال بوسۂ لب کیوں نہ وجہ تلخ کامی ہو
نہ اس قابل دہن میرا نہ اس قابل زباں میری

وہی سنتا ہوں جب سنتا ہوں میں عاشق مزاجوں سے
مگر یاروں کو ازبر ہو گئی ہے داستاں میری

الٰہی میری خاموشی میں دے تاثیر گویائی
خوشامد کرتے کرتے تھک گئی اب تو زباں میری

سنائی کچھ نہیں دیتا کسی کو ہے وہ ہنگامہ
نئے پہلو سے میرا پردہ رکھتی ہے فغاں میری

فدائے شاہد و ساقی کروں گا حشر تک کیفی
اگر مجھ کو ملے سو بار عمرِ رائیگاں میری

اگر نکلے غبار آمیز آہِ آتشیں اپنی — زمیں سمجھے فلک اپنا فلک سمجھے زمیں اپنی
سمجھ میں آگیا وحشت ہوئی جب ہم قریں اپنی — فلک اپنا نہ اپنا تھا نہ اپنی تھی زمیں اپنی
دہن سے پھول برساتی ہے آہِ آتشیں اپنی — فلک بھر لے گا دامن گو دھر لیگی زمیں اپنی
تصور سے غش آتا ہے قیامت تو قیامت ہے — وہاں کیا حشر ہوگا جب یہ حالت ہے یہیں اپنی
بڑے مقتل میں آئے ہو ذرا سیدھے تو ہو جاؤ — سنبھالو اپنے دامن کو چڑھا لو آستیں اپنی
الٰہی جلد آنکھیں بند ہو جائیں تو اچھا ہے — کسی کے دل میں کھٹکے کی نگاہِ واپسیں اپنی
تری خاطر سے غیروں کی بھی خاطر داریاں کرتے — طبیعت گر نہ ہوتی اس قدر رنجش آفریں اپنی
جنوں میں لٹ گئے ہم اب تو خالی ہاتھ بیٹھے ہیں — ہوئی پیوندِ داماں بیاباں آستیں اپنی
محبت کس طرح نبھتی ہے آئندہ خدا معلوم — نبھی جاتی ہے اب تک تو بآئیں یہیں اپنی
تمھارا دل بڑھانے کیلئے تعریف کرتے ہیں — مگر کیا بے اثر نکلی صدائے آفریں اپنی
عیاں ہے آنکھ کے پردوں سے شعلوں کی جھلک یارب — چراغِ زیرِ دامن ہے کہ آہِ آتشیں اپنی
سر آنکھوں پر جگہ دیتا ہوں کیفی دخترِ رز کو — یہی ہے نازنیں اپنی یہی ہے حورِ عیں اپنی

سفارش کے لئے کیفی کہیں کیا شرم آتی ہے
خطائیں بخشوائیں گے کسی سے کچھ کہیں اپنی

کس کے دل میں کھب گئی کس کی نظر میں جچ گئی — میرے قتل ہی کی شئے خدا معلوم کس کو پچ گئی

ہنستے ہنستے ہاتھ اس نے اپنے منہ پر رکھ لیا — آسماں سے آج بجلی گرتے گرتے بچ گئی
لے گئی سارے حواس اب نقدِ جاں داں پر ہے — عرش تک آہ رسا کب میری بے لالچ گئی
خونِ عاشق ہو کہ رنگِ بے وفائی ہو۔ مگر — چشمِ بد دور آپ کے ہاتھوں میں مہندی رچ گئی
دل کے جانے پر یہ زور و شورِ فریاد و فغاں — بات اتنی سی تھی اسکی دھوم اتنی مچ گئی
پیش قدمی کر کے اس ظالم سے ملتے ہی بنی — ہاتھ کیا آیا بگڑ کر بات کی بھی پچ گئی
تیز و تند و تلخ و دیرینہ شرابِ آتشیں — میرے ساقی نے مجھے جتنی پلائی پچ گئی

اب تو میخانے میں کیفیؔ! ایک سناٹا سا ہے
وہ جھمیلا میکشوں کا اور وہ کھچ پچ گئی

منظور ہو نظارہ جس کو وہ آئے جھانکے — روزن ہیں میرے دل میں دیوارِ لامکاں کے
بوسے ہزار لیں گے ہم سنگِ آستاں کے — ہیں خارِ چشمِ دشمن گل چشمِ پاسباں کے
اب بھی یہ حوصلے ہیں دلِ خستگی فغاں کے — مل جاتے ہیں زمیں سے قلابے آسماں کے
نظارہ سوز آنسو ہیں چشمِ خوں فشاں کے — شعلے بھڑک رہے ہیں کیا سوزشِ نہاں کے
چبھتے ہیں حرف دل میں فرقت کی داستاں کے — گویا بچھے ہوئے ہیں کانٹے مری زباں کے
قلب و جگر کے چھالے اور آبلے زباں کے — زینے بنے ہوئے ہیں کیا آہِ ناتواں کے
گردش نے روئی رکھی کانوں میں آسماں کے — ڈنکے بجے ہوئے ہیں کیا اوپری فغاں کے
خود رفتگانِ الفت کیا اوج نیچ دیکھیں — ذرے ہیں یہ زمیں کے تارے ہیں آسماں کے
بربادیٔ چمن پر کس وقت رحم آیا — اے برق! چار تنکے تھے میرے آشیاں کے

زخم جگر کی لذت کم ہو نہ تا قیامت — حق نمک ہیں باقی ان کے لب و دہاں کے
کیوں کر ہو غم گساری غم خوار کی الٰہی — ظاہر ہے درد میرا چہرے سے رازداں کے
وہ ہم کو یاد کرتے پھر ہم کو چین آتا — فقرے گھڑے ہوئے ہیں تیغ اپنے رازداں کے
پیوند خاک ہو کر تنگ زمیں نہ ہوتے — کاش اپنی قبر ہوتی جگر میں آسماں کے
ہوں اول اور آخر بانگ جرس کی مانند — دیکھو تو فی الحقیقت ہوں ساتھ کارواں کے
ای دست شوق! ناخن بے ہوش کے یہ کیا ہے — محجوب کہنگی سے پردے ہیں آسماں کے

کیفی! جو میکدے میں رہنا مدام چاہو
یا کر رکھو مغاں کو یا ہو رہو مغاں کے

تھم تھم کے ٹپکتا ہے مرے دیدۂ تر سے — آتا ہے لہو دل میں جو رس رس کے جگر سے
شکوہ ہے ہمیں اپنی محبت کی نظر سے — منہ پھیر لیا اس نے جدھر ہم تھے اُدھر سے
زخمی ہے جو دل ناوک دل دوز نظر سے — مرہم بھی لگاتا ہوں تو میں تیر کے پر سے
کچھ زور سے ہوتا ہے نہ زاری سے نہ زر سے — دیکھوں کہ نہ دیکھوں تجھے حسرت کی نظر سے
تم غیر کو دیکھو جو محبت کی نظر سے — تڑپے کہ نہ تڑپے کوئی ترسے کہ نہ ترسے
پھر زخم لگا دل پہ مرے زخم جہاں تھا — مارا وہیں کافر نے اُسی تیر نظر سے
اشکوں کو تلاطم کہیں دل کو نہ ڈبو دے — اللہ بچائے مری کشتی کو بھنور سے
آئینے میں شکل اپنی نہ پہچان سکو گے — دیکھو گے اگر دیکھنے والوں کی نظر سے
کیا دوں میں جواب ان کو وہ یہ پوچھتے ہیں — راتوں کو کہاں جاتے ہو چھپ چھپ کے اُدھر سے

غیروں کو محبت کی نگاہوں سے نہ دیکھو — تم آپ نہ گر جاؤ کہیں اپنی نظر سے
جو دل پہ گزرتی ہے وہ میں کہہ نہیں سکتا — جس وقت گزرتا ہوں تری راہگزر سے
سوچو تو ذرا دیکھنے والا ہی تمھارا — تم دیکھتے ہو کس کو حقارت کی نظر سے
ہیں جلوہ گہِ جوششِ رحمت میں گنہ گار — پردہ درِ توبہ کا بنا دامنِ تر سے
ای دستِ جنوں ہاتھ سے وقت نہ نکل جائے — تو سیکھ لے یہ چاک گریبانِ سحر سے
لے لوں گا میں واعظ! تری ستاری کی قسم — اک تار بھی کم ہو جو مرے دامنِ تر سے
جب ہو گی قیامت ترے کوچے ہی میں ہو گی — فتنہ جو اٹھے گا وہ اٹھے گا ترے گھر سے
مارا بھی تو مارا مجھے اک تیر ہوائی — دیکھا بھی تو دیکھا غلط انداز نظر سے
دن رات تو فرصت کبھی ہوتی نہیں تم کو — ملنے کا جدا وقت ہے کیا شام و سحر سے
پھر جائے گا پانی ترے اعمال پہ زاہد! — قطرہ بھی جو ٹپکے گا مرے دامنِ تر سے
بڑ بول ہو تم کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا — اس وقت میں خاموش ہوں اللہ کے ڈر سے
کس منہ سے دعا وصل کی مانگوں میں شبِ ہجر — مطلب بھی تو ملتا نہیں الفاظ اثر سے

دل پر ترے کیفی کے بری چوٹ لگی ہے
سینکا اس کو مرے پیرِ مغاں آتشِ تر سے

جلوہ ترا اسیرِ طلسمِ خیال ہے — اور اس کی اب ہاں سے رہائی محال ہے
لب بند ہیں کہ بند زبانِ سوال ہے — یہ منت حلاوتِ حسنِ مقال ہے
ہم سے نہ بولے کوئی تو ہم کیوں جواب دیں؟ — صورت اگرچہ پردۂ سخن کی سوال ہے

اچھا ہے یہ بگاڑ کہ چھوٹا میں رشک سے
خوش ہوں کہ ان کو صرف مجھی سے سوال ہے

عاشق خود اپنے حسن طلب کا ہے یہ فقیر
تم سے سوال ہے نہ کسی سے سوال ہے

یہ انتظار وعدۂ فردا سے کھل گیا
بے شبہ ان کی چال قیامت کی چال ہے

کہتا ہوں کچھ کہو تو وہ کہتے ہیں کیا کہوں
عذر جواب یار بھی الٹا سوال ہے

شرمندۂ دوا ہے نہ منت کش دعا
ناگفتہ بہ مریض محبت کا حال ہے

پاتا ہے دل سے کیا صلۂ لذت خلش
ہر خار گلستان محبت نہال ہے

مشکل وہ کونسی ہے جو آساں نہ ہو سکی
دشواریوں کا سہل نہ ہونا محال ہے

مجبور ہوں وگرنہ دعا بھی نہ مانگتا
کیا بے محل تبسم عین سوال ہے

وہ خواب میں ملے بھی تو منھ ڈھانک کر ملے
کتنا دراز دامن گرد ملال ہے

کسی پر جان جاتی ہے کسی پر دل تصدق ہے
گئے وہ دن کہ ہم کہتے تھے بندہ بے تعلق ہے

بھلا کیا قبر میں لے جاؤ گا میں جان اے قاتل
یہ تیرے ہی لئے ہے اور تجھ پر ہی تصدق ہے

نہ پریوں کی تمنا ہے نہ خواہش حور جنت کی
تمھارے ہو چکے ہم اب کسی سے کیا تعلق ہے

کبھی جن کو کسی سے بات کرتے شان لگتی تھی
خدا کی شان اب انکی زباں محو تملق ہے

طریق عشق میں کیفی کہاں کی عاقبت بینی
امور مملکت میں حاجت غور و تعمق ہے

تمھیں فرصت نہیں اب ہاں ہاں نہ ایک بھی ہے
زمانہ ایک وہ بھی تھا زمانہ ایک یہ بھی ہے

ملا کر ذرۂ غم اپنا قصوں کی کتابوں میں ۔۔۔ ہم ان سے کہتے ہیں نادر فسانہ ایک یہ بھی ہے
ہوئی کیا ہم صفیران چمن کی خانہ بربادی ۔۔۔ بھڑک لے آتش گل آشیانہ ایک یہ بھی ہے
مرے معشوق کا روزانہ جلسہ ایک وہ بھی تھا ۔۔۔ ہمیں ہم ہیں فقط بزم شبانہ ایک یہ بھی ہے
انھیں بے حد شکایت ہے مری نازک مزاجی کی
کہ فرماتے ہیں طرز عاشقانہ ایک یہ بھی ہے"

وسعت مآل خانہ خرابی نظر میں ہے ۔۔۔ صحرائے لق و دق مرے چھوٹے سے گھر میں ہے
گنجائش کلام کہاں خیر و شر میں ہے ۔۔۔ جب تم بشر میں ہو تو سبھی کچھ بشر میں ہے
یوں تو ذلیل و خوار ہر اک کی نظر میں ہے ۔۔۔ بندے کی شان چشم حقیقت نگر میں ہے
کچھ رنگ انقلاب تمھاری نظر میں ہے ۔۔۔ اب دل میں وہ خلش ہے نہ کاوش جگر میں ہے
کیا دیکھتا ہوں رات کو میں خواب میں کہ ہائے ۔۔۔ اک ہاتھ ہے گلے میں ترے اک کمر میں ہے
کس دل جلے کا ڈھیر ہے یارب تری پناہ ۔۔۔ اس راکھ میں شرر ہے جہنم شرر میں ہے
کوشش ہے دامن پر پروانہ کی عبث ۔۔۔ مصروف کیوں حفاظت شمع سحر میں ہے
کس طرح کچھ کہوں شب تار فراق سے ۔۔۔ مشغول وہ تو بخیۂ چاک سحر میں ہے
بندہ بشر ہے عفو خطا کا امیدوار ۔۔۔ بے بس معاملات قضا و قدر میں ہے
غمخوار بن گئے ہیں چھڑکتے تھے جو نمک ۔۔۔ کچھ ایسی چاشنی مرے زخم جگر میں ہے
کی ہم نے معصیت بھی سلیقے سے دیکھ لو ۔۔۔ توبہ کی بھی شکن کوئی دامان تر میں ہے
دیوانہ پن مرا ترے جلوے سے کم نہیں ۔۔۔ یوں بھی تو ایک بھیڑ تری رہگزر میں ہے

دنیا تمام پھر گئی دل تو نہیں پھرا؟
پہلے جو تھا وہی تو ہماری نظر میں ہے

میں جانتا ہوں اٹھی مری عزت آبرو
میری نظر میں ہے نہ تمہاری نظر میں ہے

لڑتی تھی آنکھ اب نہیں ملتی نگاہ تک
وہ بھی نظر میں ہے مری یہ بھی نظر میں ہے

واعظ! یہ اپنی اپنی نگہ ہے کہ حور خلد
تیری نظر میں کچھ ہے کچھ اپنی نظر میں ہے

پوچھو کلیم ہم سے جمال و جلال یار
تشخیص نور و نار ہماری نظر میں ہے

یہ جنگ زرگری مری آنکھوں سے دیکھنا
دل میں ملاپ اور لڑائی نظر میں ہے

دل اک نگاہ ناز میں لیتے نہیں تو خیر
کتنے کا مال پھیر تمہاری نظر میں ہے

ارض و سما ہے وقف نگاہ امید و یاس
دنیا کی نیچ اونچ ہماری نظر میں ہے

کیفی ہے سو بروں کا برا پھر بھی سچ کہو
ایسا بھی کوئی شخص تمہاری نظر میں ہے

مجھ سخت جاں سے قاتل کیا کیا گزند پہنچے
شل ہو گئے ہیں بازو ہیں دردمند پہنچے

پہنچائے رنج تم نے جتنے عدو کی خاطر
ہم کو بلا تامل اس سے دو چند پہنچے

مطرب نے کان جس کے کچھ کہہ کے بھر دیے ہوں
اے پند گو! وہاں کیا آواز پند پہنچے

میرے سبب سے یارب نقصاں نہ ہو کسی کا
دشمن کو بھی نہ مجھ سے کوئی گزند پہنچے

یادش بخیر جن کا یہ ذکر ہو رہا تھا!
وہ خود پرست آئے وہ خود پسند پہنچے

تاثیر کچھ دکھائے آہ دل شکستہ
تا بام یار یارب! ٹوٹی کمند پہنچے

اک ہم وہاں نہ پہنچے، کم قسمتی ہماری
کم بخت سب رقیب بخت ارجمند پہنچے

کیا تیز رو ہے اپنی عمرِ رواں کا توسن — کب گرد کو بھی اُس کی کوئی سمند پہنچے
دُنیا سے سب برابر نکلے مگر عدم میں — خورسند بعض پہنچے بعضے نژند پہنچے
سینے میں جس کے دل ہو اور اس میں کچھ خلش ہو — اس درد کو ہمارے وہ دردمند پہنچے
دل سے لبوں تک آئے نالے تو ہم یہ سمجھے — عرش بلند سے بھی گز بھر بلند پہنچے
دربار اور اُن کا پھر اپنی باریابی — کیا جانے کیا سمجھ کر ہم مستمند پہنچے
ہیں میرے دل کے ٹکڑے بھر پائی کی رسیدیں — پہنچائے تم نے جتنے اتنے گزند پہنچے

بیٹھے ہیں آج کیفی مسجد میں لیکے تسبیح
ایسے میں کاش کوئی زنّار بند پہنچے

تبسم لب پہ خنجر ہاتھ میں آنکھوں میں مستی ہے — وہ محوِ ناز آئینے میں محوِ خود پرستی ہے
ملے نیچی نگہ وہ جان بھی لے کر تو سستی ہے — سنا ہے "قیمتی ہوتی ہے جو تلوار کستی ہے"
محیطِ عرش و فرش اک حضرتِ انساں کی ہستی ہے — کوئی ایسی بلندی ہے، نہ کوئی ایسی پستی ہے
ہزاروں نعمتوں کی ایک نعمت تندرستی ہے — مگر آگے ترے بیمار کے کیا اس کی ہستی ہے
مدینہ جس کو کہتے ہیں وہ جانِ ملک ہستی ہے — جہاں ہر بار ہر دم رحمتِ باری برستی ہے
جسے تم چاہو آنے دو جسے چاہو نہ آنے دو — تمہارا گھر ہے میں کیوں کر کہوں بے بندوبستی ہے
پریشانوں کا مسکن اور غمگینوں کا ہے مامن — ترا کوچہ تو کیا اک خانہ بر دوشوں کی بستی ہے
مرے ناکردنی اعمال ہیں ناقابلِ بخشش — الٰہی! میں ہوں کتنا آدمی کیا میری ہستی ہے
ملا کر آنکھ دل لے لیتے ہیں وہ کس صفائی سے — نگاہوں میں کسی عیار کی چالاک دستی ہے

خبر لیتے نہیں تم اپنے بیمارِ محبت کی　　بجائے اشک اب آنکھوں سے مایوسی برستی ہے
متاعِ دل کی قیمت واجبی جو ہو وہ دو ہمدم　　کہ اتنے میں یہ مہنگی اور اتنے میں یہ سستی ہے
نشاں اس کا مٹا دو ہڈیاں کھدوا کے پھکوا دو　　مزارِ عاشقِ ناشاد پر عبرت برستی ہے

جگہ کیفی اگر تیری ہو چشمِ مست ساقی میں
تو پھر کچھ ذوقِ مستی اور لطفِ مے پرستی ہے

وہاں تو دل جلانے کے لئے اعزاز ہوتا ہے　　یہاں اپنی وفا پر مجھ کو کیا کیا ناز ہوتا ہے
نہ وعدہ کیجئے اب کے خدارا ہم سے ملنے کا　　مزاج اکثر اسی دن آپ کا ناساز ہوتا ہے
گنہگار اور پھر مجھ سا؟ خدائی میں نہیں کوئی　　وہ عاصی ہوں کہ مجھ پر مغفرت کو ناز ہوتا ہے
عجب کچھ گومگو ہے داستانِ عشق بھی یارو　　نہ مخفی بات رہتی ہے نہ افشا راز ہوتا ہے
سمجھتے ہیں ہمیں کچھ آپ کی طرزِ عبارت کو　　عجب انداز سے مطلب قلم انداز ہوتا ہے
نگہ ملتے ہی ہم سے مردہ دل بھی بول اٹھتے ہیں　　مگر جادو بھری آنکھوں میں بھی اعجاز ہوتا ہے

جنابِ حافظِ شیراز کا پیرو ہوں میں کیفی
مرے شعروں میں کیفِ بادۂ شیراز ہوتا ہے

خوش چشم جو رہتی بھی ہے وہ خوش نظر بھی ہے　　آنکھوں میں سحر اور نظر میں اثر بھی ہے
سرخی اشک زردیٔ رخ کا علاج کیا　　اے چارہ گر بسنت کی تجھ کو خبر بھی ہے
دل ترکِ آرزو پہ ہو آمادہ کس طرح　　اس کو تو پاسِ خاطرِ دردِ جگر بھی ہے
ذلت کے ساتھ ساتھ ہی عزت بھی عشق میں　　یہ عیب کا ہی عیب ہنر کا ہنر بھی ہے

عزلت نشین کوئے ملامت سے ہر طرح / آسائش وطن بھی ہے لطف سفر بھی ہے

کیفی بُلا رہا ہے انھیں تو جو اپنے گھر

اے خانماں خراب کہیں تیرا گھر بھی ہے

فکر معاد ہے نہ تلاش معاش ہے / کھویا گیا ہوں میں مجھے اپنی تلاش ہے

تصویر میں ادا ہے ادا بھی نظر فریب / میں جانتا ہوں یہ بھی انھیں کی تراش ہے

مجھ کو ہے یہ خیال کہ میں ہوں وبالِ دوش / وہ یہ سمجھتے ہیں مرے کشتے کی لاش ہے

بزمِ عدو میں وہ مری چپ سے ہیں بے قرار / یہ آہ بے صدا بھی عجب دل خراش ہے

اللہ رے ہجومِ تمنا کی آفتیں / دل پارہ پارہ اور جگر پاش پاش ہے

کھل کھیلتی ہے میری محبت بھری نگاہ / اب اک ذرا سی آن میں سب راز فاش ہے

کیفی کے حال سے ابھی آشفتہ ہاں ہیں آپ

ہم خوب جانتے ہیں بڑا بدمعاش ہے

لب پہ تعریف تیری آئی ہے / مجھ پہ شیدا مری گویائی ہے

دست گستاخ ہیں اور فہمائش / وہ جو بگڑے ہیں تو بن آئی ہے

ہوتی ہے دل کی تڑپ سے تسکیں / بے قراری میں شکیبائی ہے

وہ مرے دل سے نکلتا ہی نہیں / لوگ کہتے ہیں کہ ہرجائی ہے

ہر جگہ ہیں ترے جلوے روشن / پھر یہ یکتائی کی یکتائی ہے

سامنے سے نہ ہٹے یہ تصویر / جب تک اس آنکھ میں بینائی ہے

ہو کا میدان بھی اللہ اللہ — نہ تماشا نہ تماشائی ہے
دیکھ اونچی نگاہوں والے! — آنکھ کس سے تری شرمائی ہے
پھر وہی دن ہیں وہی راتیں ہیں اب — پھر وہی عالم تنہائی ہے
تیری مشتاق ہیں مری آنکھیں — دل مرا تیرا تمنائی ہے
دے حیات ابدی کشتوں کو — یہ بھی اک طرز مسیحائی ہے
اس جگہ کوئی نہ آنے پائے — پاس میرے مری تنہائی ہے
ناچ لے جلد ذرا سی کیفی
تاک میں گنبد مینائی ہے

اپنے سائے سے جھجکتے تھے جو پہلے پہلے — ساتھ غیروں کے وہ اب پھرتے ہیں البیلے گھیلے
آپ کی راہ میں کب تک کوئی بے چین رہے — سانس آخر مرے سینے میں کہاں تک ٹہلے
جی کڑا کر کے رکھو صحن گلستاں میں قدم — دل نہ غنچوں کے چٹکنے کی صدا سے دہلے
دم نکلتا ہے کہیں ہم سے گراں جانوں کا — روز ہوتے ہیں یہی پیک قضا کے دہلے
دل ناعاقبت اندیش کی خاطر کب تک — ہم وہاں اٹھ کے نہ جائیں گے جہاں جی بہلے
اب انھیں زعم اگر مہر و وفا کا ہے تو ہو — ہم کو کیا اس سے کوئی اپنی جگہ کچھ کہہ لے
یہ ہیں اس کوچے کے آداب نشست و برخاست
رات بھر پڑ رہے دروازے پہ دن بھر ٹہلے

ترک الفت کا ارادہ قصد روپوشی بھی ہے — اور پھر دل میں تمنائے ہم آغوشی بھی ہے

خود فروشی ہی نہیں ہے خود فراموشی بھی ہے
آپ کی باتوں میں گویا لطف خاموشی بھی ہے

کان میں اک بات سن لو آ کہ دشمن تاڑ لیں
فاش گوئی بھی ہے یہ کہنے کو سرگوشی بھی ہے

شیخ صاحب پی بھی لو اک بار کہہ کر یا غفور
زہد کا ہے زہد مے نوشی کی مے نوشی بھی ہے

غیر کی خاطر سے ٹھیری ہے مری گردن زدنی
یہ گراں جانی بھی ہے یارب سبکدوشی بھی ہے

قلت و کثرت ہے کیفی بات اپنے ہاتھ کی
مے نشاط افزا بھی ہے دارُوئے بے ہوشی بھی ہے

کیسی برہمی جب سامنے پیمانہ آتا ہے
ترے لب تک مگر پیمانہ گستاخانہ آتا ہے

نزاکت کا برا ہو وہ سنورنے بھی نہیں پاتے
بڑی مشکل سے زلف عنبریں تک شانہ آتا ہے

خوشامد اور پھر اتنی خوشامد؟ اس ستمگر کی
تجھے کچھ بھی خیال اے ہمت مردانہ آتا ہے

نہ پوچھو تم ادا کیا ہے شرارت کس کو کہتے ہیں
سکھانے سے کہیں انداز معشوقانہ آتا ہے

رخ روشن تمھارا زندگی بخش دو عالم ہے
سمندر بن کے رہ جاتا ہے جو پروانہ آتا ہے

تباہی دم بدم معمورۂ عالم کی بڑھتی ہے
کہ میری پیشوائی کے لئے ویرانہ آتا ہے

خدا جانے یہ کس خاک مقدس سے بنا ہوگا
کہ ہاتھوں ہاتھ بزم یار میں پیمانہ آتا ہے

شراب آتشیں نے پھونک ڈالا تن بدن کیفی
نظر اپنا سراپا مجھ کو آتش خانہ آتا ہے

وہ خفا بے سبب نہ ہو جائے
کہیں ایسا غضب نہ ہو جائے

بے تکلف تو کر دیا تم نے
اب یہ دل بے ادب نہ ہو جائے

نہ کھلے میرا نامۂ اعمال | صبح محشر کی شب نہ ہو جائے
ہچکیوں پر ہے تشنۂ دیدار | ختم یہ جاں بلب نہ ہو جائے
گاہے گاہے بھی تم پیا نہ کرو | رفتہ رفتہ طلب نہ ہو جائے
نامہ بر اپنا اس کی محفل میں | مدعی کوئی جب نہ ہو جائے

عشق پیشہ تو ہم ہوے کیفیؔ!
یہ بھی اُن کا لقب نہ ہو جائے

نصیبے میں اپنے خدا جانے کیا ہے | عدو آسماں ہے زمانہ خفا ہے
مرے مردم دیدہ گریاں ہیں شاید | دیار محبت کا پانی لگا ہے
جسے دیکھئے چشم تر آہ برلب | عجب کوئے الفت کی آب و ہوا ہے
مرا دل بھی خوگر ہے رنج و بلا کا | انھیں بھی لڑکپن سے مشق جفا ہے
تجھے کیا خبر بھولے بندے خدا کے | مرے دل کی حالت خدا جانتا ہے
شب وصل کی چھیڑ پران کا کہنا | ذرا ہوش کی لو تمھیں کیا ہوا ہے
یہ کہنے کی باتیں ہیں رہنے دو بس بس | مجھے بھی خبر ہے عدو یار سا ہے
تماشا مری آہ و گریہ کا دیکھو | برستا ہے مینہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے
فلک تجھ کو اللہ شرمائے ظالم | غم و رنج کی بھی کوئی انتہا ہے
صبا میکش تھانوی سے یہ کہنا | کہ میخانہ مدت سے خالی پڑا ہے

ہمیں کیا غرض دین و دنیا سے کیفیؔ

یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

یہی ہے رنج بھی دکھ درد بھی مصیبت بھی
اسی کو پیار سے کہتے ہیں ہم محبت بھی

ہماری رائے میں خواہش کا نام کاہش ہے
جو یہ نہو تو نہو آدمی پہ آفت بھی

برائی کونسی دنیا میں ہے جو ہم نے کی
پھر ایسے پاک کہ ہوتی نہیں ندامت بھی

جس آئینہ پہ ہماری نگاہ پڑتی ہے
اس آئینہ کی نہیں دیکھتے وہ صورت بھی

ہر آئینہ میں تمھیں پر نگاہ پڑتی ہے
مجھے نظر نہیں آتی ہے اپنی صورت بھی

خیال میں ہے مثال اور خواب میں ہے خیال
عجیب رنگ بدلتی ہے تیری صورت بھی

ہزار جان سے ہوں میں عتاب پر قرباں
خفا بھی ہوتے ہیں پھر دیکھتے ہیں صورت بھی

ہمارے گریۂ بے سود سے ہے کیا حاصل
کہیں ڈھلی ہے سیاہیٔ شام فرقت بھی

بڑی حجاب ہے رندان پاک طینت کی
ادب سے دور کھڑی رہتی ہے ندامت بھی

ہم اور دولت دیدار اس پہ وعدۂ وصل
لڑی ہے آنکھ کے ساتھ آج اپنی قسمت بھی

جناب شیخ کی باتیں پتہ کی باتیں ہیں
بڑے بزرگ ہیں سب جانتے ہیں حضرت بھی

خدا نے دی ہے تجھے آنکھ وہ تجھے دیکھے
خدا کے بندوں میں ہوتی ہے ایسی صورت بھی

دکھائی دیتے ہیں جلوے ہزار پردوں میں
کہیں چھپانے سے چھپتی ہے اچھی صورت بھی

جفائے یار سے بھی ہو گئی ہے مایوسی
نہیں ہے آبلۂ دل میں بخار حسرت بھی

ہماری آنکھ سے ہے قدر حسن والوں کی
ہمارے نام سے اب بکتی ہے محبت بھی

نکل کے چاہ سے یوسف عزیز مصر ہوئے
لگی ٹھکانے سے برگشتگی قسمت بھی

کسی کا سر ترے قدموں تک آ نہیں سکتا
ملی مجھی کو نصیبوں سے ایسی قسمت بھی

یہ ہو نہ ہو وہی کیفیؔ ہو رندِ شاہد باز
سنا ہے نام بھی، دیکھی کہیں ہے صورت بھی

گل سے بلبل شمع سے پروانہ ہم آغوش ہے
رحم اس بیکس پہ کر جو بے ترے خاموش ہے

وصل میں عاشق اِدھر معشوق اُدھر خاموش ہے
یعنے اک تصویر سے تصویر ہم آغوش ہے

آئے کہنے پر تو پھر کہنا کہ کیا کہتا تھا میں
یہ زباں جس وقت تک خاموش ہے خاموش ہے

مہر و قہر آمیز ہے پیمانۂ چشمِ نگار
نیش سمجھو نیش ہے، نوش سمجھو نوش ہے

وہ گلے ملنے کے ارماں مل گئے سب خاک میں
اب تو انگڑائی کی خاطر وا شدہ آغوش ہے

لب تک آ آ کر پلٹ جاتے ہیں شکوے وصل میں
کس قیامت کی بناوٹ سے کوئی خاموش ہے

دل سلامت ہے تو داغِ بیکسی کی کیا کمی
دشمنِ زیرِ بغل سے رونقِ آغوش ہے

کوئی پریوں پر تصدق کوئی حوروں پر نثار
اپنی اپنی ہے طبیعت اپنا اپنا جوش ہے

ہم ادھر ہیں دم بخود اُس نے اُدھر چپ سادھ لی
بیچ میں اب کون بولے شمع بھی خاموش ہے

بعد مرنے کے مری مٹی ٹھکانے کب لگی
خاک میری توتیائے چشمِ عبرت کوش ہے

میں کہاں ہوں کیوں جھجکتا ہے ذرا تو غور کر
وہ بھی تو ہے فتنہ گر تو جس سے ہم آغوش ہے

ہر خوشی کرتی ہے مجھ سے ہر طرح پہلو تہی
ہر بلا میرے لئے کھولے ہوئے آغوش ہے

گالیاں دیکر جھکے منہ دیکھو لے کر آئینہ
بولتی تصویر کس انداز سے خاموش ہے

جان دینے پر تلے ہیں چاہنے والے ترے
کس غضب کا ولولہ ہے کس بلا کا جوش ہے

عنفوانِ شوق میں دل جلتے جلتے بجھ گیا — شمعِ بزمِ عیش پہلی شام سے خاموش ہے
چشمِ میگوں دیکھنے والوں کی کیا لے گی خبر — مست آخر مست ہے مدہوش پھر مدہوش ہے
دیکھ او ناقدرداں دیکھ اس طرف تو دیکھ دیکھ — کس تمنا سے کوئی کھولے ہوئے آغوش ہے
انگتی ہے دل عجب انداز سے تصویرِ یار — دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ خاموش ہے
لے خیالِ یار کے لی ہم نے کروٹ کوئی — اپنا ہم آغوش جو تھا اپنا ہم آغوش ہے
اپنے زخمِ دل سے یوں پیوست ہے سوفارِ یار — اک لبِ خاموش پر گویا لبِ خاموش ہے
آنے والا ہے مرے بزمِ تصور میں کوئی — جانے والا پیشوائی کے لیے اب ہوش ہے

خیر ہے کیفی یہ کیسی بندھ گئی ہے ٹکٹکی
کچھ تو کہہ کیا فکر ہے کس سوچ میں خاموش ہے

پھر بہار آئی چمن میں پھر جنوں کا جوش ہے — رخصتِ ہستی ترے وحشی کو وبالِ دوش ہے
وہ امنگیں ہیں نہ وہ دل ہے نہ اب وہ جوش ہے — حسن بارِ چشم ہے نغمہ وبالِ گوش ہے
بات کرنے کی کہاں فرصت ہجومِ آہ میں — کثرتِ شور و فغاں سے ہر لبِ خاموش ہے
کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے ترے بیکس کے پاس — آنے والی ہے غشی یا جانے والا ہوش ہے
میں کہوں تو کیا کہوں اب کہے تو کیا کہے — دیکے دل خاموش ہیں وہ لیکے دل خاموش ہے
دل اِدھر لیتی اُدھر پھرتی ہے تیری چشمِ مست — جس قدر ہشیار ہے یہ اُس قدر بیہوش ہے
اس طرف دلبر جگر پر اُس طرف رہتا ہے ہاتھ — اپنی ہر کروٹ میں اک معشوق ہم آغوش ہے
آنکھیں پتھرائی ہیں یا ڈوبتے چشمے خشک ہیں — داغِ دل افسردہ ہیں یا آتشِ خاموش ہے

رند ہے بیطرح پیش آتا ہے ناحق محتسب — ہوشمند ایسا ہے کیوں بیہوش تو بیہوش ہے
صاف ہی تو صاف دے یا دُرد ہی تو دُرد دے — میرے ساقی ہم بلانوشوں کو سب نوش ہے
ہے تری چشم سخن کو عین عاشق کی مراد — بوسہ گاہِ آرزو تیرا لب خاموش ہے
ایک ہی عاشق کی تیرے ابتدا و انتہا — ہوش جس دن سے سنبھالا آج تک بیہوش ہے
اے وفور شادمانی یہ سمجھ لینے تو دے — کیا ہمیں ہیں جس سے ہم بزم ہم آغوش ہے
اب سمجھ لو تم مگر اتنا پتہ دیتا ہوں میں — زخم دامن دار میں اک آرزو روپوش ہے

تار ان کا ٹوٹنے پائے نہ کیفی حشر تک
دامنِ اشک ندامت جسم عصیاں پوش ہے

یہ کس نے لی تھی قسم اے بہانہ جو ہم سے — جدا کبھی نہ ہوں ہم تجھ سے اور تو ہم سے
دروغ مصلحت آمیز گفتگو ہم سے — ہمیں سے سیکھ کے کیوں اے بہانہ جو ہم سے
ہے جو مل کے دل ناشکیب تو ہم سے — ہماری طرح کریں وہ بھی آرزو ہم سے
کم آبرو ہے زمانہ میں گر عدو ہم سے — تو اس غریب کو دے لیکے آبرو ہم سے
پرانے عشق کے قصے ذرا سنو تو سہی — وہ نائے نوش وہ ہو حق وہ ہائے ہو ہم سے
وہ دور جام کہ اب تک ترستی ہیں آنکھیں — زمانہ تھا کہ بغلگیر تھا سبو ہم سے
وہ پاک نوشی جام و صراحی صاف — نہ بات کی کبھی ساقی نے بے وضو ہم سے
صفائی آئینہ و جام کی وہ کیفیت — کہ سیکڑوں ہیں قدح خوار ہو بہو ہم سے
وہ جوش مے وہ تبرا با و جبہ و دستار — کہ یادگار ہے تفسیر و آشتر تو ہم سے

کبھی خیال معاصی جو دور لے جاتا — بھڑک کے کہتی تھی کیا کیا رگ گلو ہم سے
کسی سے پوچھتے ہم نشۂ خمار شراب — تو پوچھتا تھا کوئی وصف رنگ بو ہم سے
اٹھا ہوا تھا سرا پردۂ جمال و کمال — مجال کیا کہ چھپے کوئی خوب رو ہم سے
وہ بزم زہرہ جبینان آسمان رتبہ — ہر ایک بر سر پیکار دو بدو ہم سے
کسی سے وصل کا وعدہ کسی سے شکوۂ ہجر — کسی سے عرض کہ کچھ کیجیے گفتگو ہم سے
عجب سماں تھا عجب لطف تھا عجب عالم — نہ پوچھ حال کچھ اس زندگی کا تو ہم سے
نہ جام ہے نہ صراحی نہ خم نہ پیمانہ — جدا ہے آہ وہ ساقی ماہرو ہم سے
کمی اشک کی آنکھوں نے دی خبر جس دم — دل و جگر نے کہا لیجیے لہو ہم سے
پتہ ترا نہ ملے جب بسیط عالم میں — گلہ کرے نہ کرے پائے جستجو ہم سے
ہماری آنکھوں میں ہے بے مروتی اسکی — نظر ملائے نہ اب کوئی خوب رو ہم سے
تمھارے حسن نے سب کچھ سکھا دیا ہم کو — دگر نہ دل نے نہ کی کوئی آرزو ہم سے

حضور عشق میں کیفی ہماری کیا عزت
ہزاروں پھرتے ہیں عالم میں کو بکو ہم سے

جو درد لا دوا ۔ جو مرض لا علاج ہے — وہ میرا دل ہے اور وہ میرا مزاج ہے
وحشت نہ یہ جنون نہ یہ اختلاج ہے — اک درد ہے کہ درد ہی اس کا علاج ہے
دل کس قدر غنی ہے تمھارے فقیر کا — محتاج ہو گیا بھی تو بے احتیاج ہے
انصاف کی تو بات یہی ہے کہ چپ رہیں — تجھ سے گلہ جو کرتے ہیں ہم یہ رواج ہے

دنیا میں اک تمھیں تو نہیں ہو مزاج دار
سونچو تو اور بھی کوئی نازک مزاج ہے

کیا جانے کیا ہو حشر کے دن اس کا فیصلہ
کل کل ادھر ہے اور ادھر آج آج ہے

تیری خوشی خوشی ہے مری وصل ہو کہ ہجر
جب احتیاج تھی نہ کچھ اب احتیاج ہے

دل دے کوئی خوشی سے تو لے اے نگاہ ناز
خود ہو کے مانگنا یہ کہاں کا رواج ہے

خوش بھی نہیں خفا بھی نہیں معتدل نہیں
یہ آپ کا مزاج بھی کوئی مزاج ہے

ماہ صیام و غرۂ شوال کیا ضرور
جب دید آج ہے تو مری عید آج ہے

میں جانتا ہوں آپ کو سب جانتے ہیں آپ
کس منہ سے میں کہوں کہ مجھے احتیاج ہے

معشوق ہو تو ظلم ہی کرنا ہے کیا ضرور
جدت پسند تم وہ بُرا نارواج ہے

باتوں میں سوز و ساز ہے آواز میں گداز
معشوق ہے کہ عاشق رنگیں مزاج ہے

ہے دانہ دانہ اشک غذائے مریض غم
یا رب اب اس کے حق میں یہ پانی اناج ہے

یہ تم نہیں ہوے کہ کہا کچھ کیا کچھ اور
میری زبان ہے یہ جو کل تھی وہ آج ہے

ہوش و حواس خستہ دلاں لیتے جاتے ہیں
ویران بستیوں پہ بھی عشر و خراج ہے

لیتا نہیں کہیں بھی کوئی بک رہے ہیں قلب
لیکن دیار عشق میں اس کا رواج ہے

معشوق اس کو سمجھو تو معشوق بھی ہے وہ
عاشق مزاج سمجھو تو عاشق مزاج ہے

کل تک جو بات تھی نہ رہی وہ دلوں میں آج
کل تک رہے رہے نہ رہے یہ جو آج ہے

بیکار تو نہیں ہیں ہتھیلی کے یہ خطوط
کیا جانے کس زبان میں کیا اندراج ہے

وہ جانتے بھی ہیں مری ہر احتیاج کو
پھر پوچھتے بھی ہیں تجھے کیا احتیاج ہے

کرتے ہیں جب یہ ناز اٹھاتے ہیں اسکے ناز
سچی محبتوں میں یہ رسم و رواج ہے

کیفیؔ شرابِ شوق سے نیت نہیں بھری
جو احتیاج تھی مجھے وہ احتیاج ہے

طاقت تو صبر کی نہیں صرف اتنی لاج ہے
کہنے نہ پائے کوئی کہ تو بد مزاج ہے

وہمی یہ دل ہے وہ متلون مزاج ہے
اس کا علاج ہے نہ کچھ اس کا علاج ہے

کیوں ٹالتے ہو وعدۂ فردائے حشر پر
تم سامنے کھڑے ہو قیامت تو آج ہے

کچھ احتیاج ہی نہ کسی کی رہی مجھے
ہے احتیاج اگر تو یہی احتیاج ہے

دل کیا لیا کہ مول لیا آپ نے ہمیں
عاشق سے یہ سلوک کہاں کا رواج ہے

ڈرتے ہیں رعب حسن سے پھر چھیڑتے بھی ہیں
پھر جانتے بھی ہیں کہ وہ نازک مزاج ہے

سب جانتا ہے گھاس تو کھاتا نہیں عدو
انسان ہی ہے اوسکی غذا بھی اناج ہے

رو رو کے جان کھوتے ہیں اپنی تو کھونے دو
پوچھے نہ کوئی ہم سے کہ کیا احتیاج ہے

کل کیا ہوا تھا اور خدا جانے کل ہو کیا
ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہے آج ہے

وابستگان دامنِ دولت ذلیل ہیں
یہ قہرمانِ عشق کے گھر کا رواج ہے

سمجھا ہے اپنے چاہنے والے کو تو نے کیا
نازک مزاج وہ بھی تو نازک مزاج ہے

کیسی بہشت حور کہاں کے قصور کیا
تیرے نیاز مند کو کیا احتیاج ہے

دل میں سے رنگ بادۂ عشق آئیگا نظر
یہ ساغر سفال ہی جامِ زجاج ہے

دانائے ہفت رنگ ہے دشمن تو کام لو
صدقے میں دو کے سات طرح کا اناج ہے

ہم اوسکی اعتدال پسندی پہ ہیں گواہ — آب، آگ، باد، خاک میں کیا امتزاج ہے
تو بیوفا ہوا تو نئی بات کیا ہوئی — یہ تو قدیم رسم پرانا رواج ہے
بیچینیاں ہیں یہ نہیں بے احتیاجیاں — کس طرح کہہ سکوں تجھے کیا احتیاج ہے
اک رٹ ہے اوسکی اور نہ کچھ فکر ہے نہ ذکر — کچھ کام کاج ہے تو یہی کام کاج ہے
اللہ رے عشق اُف رے تری حکمرانیاں — ہے رائے رائے تیری ترا راج راج ہے
جی چاہتا نہیں ہے تجھے چاہتے ہیں ہم — ظالم ہمیں تو اپنے محبت کی لاج ہے
اُس بے وفا سے حشر میں بڑھکر کہے کوئی — جس کل کا تو نے وعدہ کیا تھا وہ آج ہے
پہلے تو دل کے ساتھ ہی دیتے تھے اپنی جان — اسکی خبر نہیں ہے کہ اب کیا رواج ہے
آنکھوں میں وہ ہیں دید کو آنکھیں ترس گئیں — یارب یہ اختلاج بھی کیا اختلاج ہے
اہلِ دکن کو ذوقِ سخن ہے قدیم سے — اسپر گواہ نام ولی و سراج ہے

محتاج اگر کسی کا ہے کیفی تو کیا عجب
وہ آدمی نہیں ہے جسے احتیاج ہے

نوید آئی ہے مژدہ آیا خبر بھی خوشگوار آئی — مراد آئی ہے منت آئی کہ یار آیا بہار آئی
ہماری میت بھی بیمروت جو بے ترے تا مزار آئی — ٹلے کوئی اب نہ نام الفت جہاں میں عبرت پکار آئی
ازل سے تا عرصہ گاہِ محشر جو اپنی شستِ غبار آئی — کہاں کہاں ہو کے کیسی کیسی ذلیل و رسوا و خوار آئی
قسم جو وعدوں کی ساتھ تیری زباں پہ بار بار آئی — وہیں مجھے اعتبار آیا جہاں یہ بے اعتبار آئی
فلک پہ ابرِ بہار آیا چمن میں بادِ بہار آئی — مگر ہمارا نہ یار آیا نہ موت پروردگار آئی

طبیعت آئی ہے کسکی آئی ہماری آئی ہے آئی کسپر
کسی پر آئی ہے کیونکر آئی بہت ہی بے اختیار آئی

ہوئیں قدمبوسیاں میسر ہمیں تو کب کس طرح سے مر کر
کہ ٹھوکروں میں کسی ستمگر کی اپنی خاک مزار آئی

چمن میں غنچے کھلیں تو پھر کیا کھلا ہمارا نہ غنچۂ دل
مزا تو جب تھا کہ یار آتا بہار کا کیا بہار آئی

ترے شہید نگاہ کا رتبہ بیان کیا کوئی کر سکیگا
کہ پیشوائی کو اوسکی جنت سے حور بھی تا مزار آئی

قدم محبت کا جب سے آیا ہے دل میں پھر اپنے کچھ نہ آیا
نہ شرم آئی نہ غیرت آئی نہ ننگ آیا نہ عار آئی

ملے اگر زیر خاک کوئی تو پوچھ لوں اوس سے حال اپنا
کہ بعد میرے سمجھ میں کس کی زبان شمع مزار آئی

وہ رحمت عجز عاشقانہ وہ شکل ناز و تمکیں
ابھی تو خوش خوش ہیں حضرت دل کہ پھر شب وصل یار آئی

ہمارے حالات زندگانی فقط یہ دو حرفی ہی کہانی
کہ یاد معشوق سے جو گھبرائے ہم تو یاد مزار آئی

جفائیں کچھ رہ گئی ہیں شاید جو اوسنے بھیجا ہے اپنا قاصد
تڑپ تڑپ اے دل فسردہ کہ طاقت اضطرار آئی

چراغ داغ جگر سلگ جا نگاہ تو جا کے در سے لگ جا
کہ جس کے ہم انتظار میں تھے وہی شب انتظار آئی

جو زیور حسن ہم نے آنکا نگاہ اوس پر پڑی ہے سب کی
جہاں گئی ہے نظر ہماری جھلکے اپنا وقار آئی

بیاض چشم عدو کی تحریر اشک خوں بھی نہ مٹ سکی اس سے
کسی کے کچھ کام تک یارب ہماری مشت غبار آئی

نہ آرزو ہے نہ حسرت نہ مدعا کوئی
نہ میں کسی کا ہوں یارب نہ ہے مرا کوئی

مرا قصور کہ میری نہیں خطا کوئی
یہ کس کی چوک کہ ٹھیری نہیں سزا کوئی

بلا جو آئی ہے مجھ پر نہ آئے دشمن پر
ستم شعار نہ ہو تیرا مبتلا کوئی

اک انتظار میں ہیں لطف سو قیامت کے
خدا کرے کہ نہ وعدہ کرے وفا کوئی

شب فراق میں ہی زیست موت سے بد تر　　ترے بغیر جیا بھی تو کیا جیا کوئی
کیا ہے ترک ستم یار نے تو کیا ہوگا　　بہانہ ڈھونڈ ہی لیگی مری قضا کوئی
تم آئینہ پہ جو غش ہو تو حق بجانب ہے　　قصور کیا ہے اگر تم پہ ہو فدا کوئی
فلک فلک ہی تو کیا ہے عدو عدو ہی تو کیا　　بگڑ کے ہم سے ہمارا کرے گا کیا کوئی

عجیب وضع عجب رنگ ہی ترا کیفی
نہ تجھ کو رند سمجھتا نہ پارسا کوئی

تم ملے مجھ سے ملے بیشک ملے اکثر ملے　　ہاں مگر کسواسطے کس طرح سے کیونکر ملے
عقل حائل ہے نشان عشق پھر کیونکر ملے　　فائدہ کیا گر کلید گنبد بے در ملے
ایسی سج دھج کا ملے انسان تو کیونکر ملے　　تیرا ہم صورت ملے کوئی تو صورت گر ملے
بات جو ملنے میں ہونی چاہئے ملتی نہیں　　یوں تو وہ ملنے کو ہم سے رات بھر دن بھر ملے
منزل مقصود اپنی ان سے کوسوں دور ہے　　ہم کو کیا گر راہ میں کعبہ ملے مندر ملے
دل جگر بنکر ہدف پرواز پیدا کر چلے　　تیر پہلو میں چبھے تو ہم یہ سمجھے پر ملے
کاٹ میں ہی کاٹ اس کے ابروئے خمدار کی　　مول لیں گے ہم اگر ایسا کہیں خنجر ملے
آرزو کس کو ہے یہ کیسی ہے اور کس سے ہے یہ　　جو جدا ہوتا نہیں ہم سے وہ کیا آکر ملے
جسطرح جس نے کیا ہو مجھ سے دنیا میں سلوک　　یاالٰہی اس کو بدلا اس سے بھی بہتر ملے
دیدہ لبریز اک طرف ہم بھی کھڑے ہیں دیر سے　　آنکھ ہم سے بھی ذرا اے ساقی کوثر ملے
خانہ ویرانی صفائی اور اتنی چاہئے　　وہ جو ڈھونڈے میرا گھر تو اسکو اپنا گھر ملے

کیا پری ہی رنگ کتنا شوخ کتنی تیز ہے
دختر رز کو الٰہی جلد کوئی بر ملے

کب کے پامال خرام ناز ہو کر رہ گیا
اب کہاں ڈھونڈے سے وہ ہنگامۂ محشر ملے

خود غرض خود رائے خود آرا خود بیں خود پرست
عمر بھر ترسائے ملنے کو اگر دم بھر ملے

موت آنے کو ہی کیفی اور دم جانے کو ہے
ہم کسی سے کیا ملیں ہم سے کوئی کیونکر ملے

کی ہے کچھ تقلید انداز خرام یار کی
چال خود بتلا رہی ہے چرخ کج رفتار کی

رو کش خلد بریں دیوار بام یار کی
چشم تر تفسیر تجری تحتہا الانہار کی

طالب جنت ہو وہ آوارہ یارب کس طرح
جو نہ لے منت کسی کے سایۂ دیوار کی

تم کھلے بندوں پھرو اور ہم مقید ہی رہیں
واہ کیا اچھی ہوئی پابندیاں اقرار کی

ہم صفیران عدم سہتے ہیں کیا آرام سے
کتنی ٹھنڈی چھاؤں ہے قاتل ترے دیوار کی

دل یہ کہتا ہے کہ ذکر العیش نصف العیش ہے
عقل کہتی ہے کہ اوسکی آرزو بیکار کی

فرط رسوائی میں اک گونہ مزا ملنے لگا
چھیڑ کر کھانے لگے ہم گالیاں بازار کی

پنجۂ وحشت کے ناخن بڑھ گئے آئی بہار
دھجیاں اوڑنے لگیں پھر زخم دامن دار کی

انقلاب دہر جاتا ہے کنواں پیاسو کے پاس
آبلوں کو جستجو ہے وادیٔ پرخار کی

ہائے اب بھی یاد ہے مہندی بنی جتنی غضب
ہاں تو نبضیں چھٹ گئیں ظالم ترے بیمار کی

بخشتا تھا ہو نہیں اسکو اپنی آنکھوں کا ثواب
طرح ڈالی جس نے یارب حسن کے بازار کی

وہ امنگیں مٹ گئیں وہ ولولے جاتے رہے
ہائے کیفی کیا کہیں طاقت نہیں گفتار کی

لے کے دل منہ پھیر لے انجان بنکر جان لے
میرا ذمہ ہے اگر تجھ کو کوئی پہچان لے

مسکرا کر دل لے میرا ہنس کے میری جان لے
اس کو ایسی کیا پڑی ہے جو ترا احسان لے

لاکھ تو چھپ چھپ کے پردے میں ہماری جان لے
جانتے ہیں ہم بھی تجھ کو تو بھی اتنا جان لے

چھوڑ دے اے دل خیال خوبرویاں چھوڑ دے
مان لے نا عاقبت اندیش میری مان لے

تیرے وعدے کا بھروسہ کیا ہے اے پیماں شکن
اعتبار آتا نہیں سر پر اگر قرآن لے

یہ سماں یہ چاندنی اے مطرب عاشق نواز
جی پھڑک جائے ہمارا ایسی کوئی تان لے

مار ڈالا مار ڈالا لٹ گئے ہم لٹ گئے
تان لے پھر تان لے منہ پر دوپٹہ تان لے

بات کرنے کا سلیقہ تک نہ آتا تھا جسے
اب ہیں سے شان کی وہ بت خدا کی شان لے

ہوں اگر ظالم ترے سب جور پنہاں آشکار
نام بھولے سے محبت کا نہ پھر انسان لے

دیکھ کیفی ... یہ سینہ درد آمیز ہے
ریش قاضی میں ذرا اپنے سی پہلے چھان لے

سپیدی سر میں آئی اور آنکھوں میں اندھیرا ہے
کہاں کا عشق کیفی اب بھی سوچو تو سویرا ہے

بہر صورت گذرتا ہے زمانہ رنج و راحت سے
کبھی جنگل میں منگل ہے کبھی صحرا میں ڈیرا ہے

یہ طاقت قید خانہ کی نہ یہ زنجیر کی قدرت
مجھے یارب مری تقدیر کے چکر نے گھیرا ہے

جنھیں ہم دوست کہتے ہیں جسے دنیا سمجھتے ہیں
یہ سب کھیتوں کی چڑیاں ہیں یہ چڑیوں کا بسیرا ہے

خدا شرمائے تجھ کو اے اجل میں داد دوں تو کو
مری گردن پہ خنجر کس ادا سے اس نے پھیرا ہے

مرد لے بیقراری! آخری دیدار ہو جائے
کہ اپنا منہ مرے قاتل نے اس جانب سے پھیرا ہے

مزے لوٹے ہیں کیا کیا جلوۂ ہائے حسنِ دلکش کے
ہمارا عشق کامل بھی لٹیروں کا لٹیرا ہے

فروغِ حسن ظاہر قدر کے قابل نہیں کیفی
دو روزہ چاندنا ہی پھر اندھیرے کا اندھیرا ہے

ایسا اونچا بھی نہیں ہے کچھ نہ ایسا پستہ ہے
قد موزوں یار کا اک مصرعِ برجستہ ہے

لوگ کیا سمجھیں گے، دیکھو سنبھلو مجھ کو تھام لو
چلتے پھرتے ہیں ہزاروں آدمی یہ رستہ ہے

اپنا ہادی ہے وہی ہے پیشوا اپنا وہی
مذہب و ملت کی پابندی سے جو وارستہ ہے

میرے دل میں حسرت و یاس و تمنا کے ہیں داغ
مختلف اقسام کے پھولوں کا یہ گلدستہ ہے

آپ اپنے پر ملامت کرتے کرتے تھک گیا
رحم کر ظالم مری حالت بہت ہی خستہ ہے

بوئے گل کے پاؤں نہیں تو اے صبا ہمت ہی تھی
عندلیبِ زار کو تو دیکھ لے پر بستہ ہے

ہر لبِ زخم آرزوئے وصل کی دیتا ہے داد
سر سے پا تک جس جگہ جو تیر ہے پیوستہ ہے

خاک ہو کر بھی نہ ہو یہ کوئے قاتل سے جدا
دل مرا یارب قتیلِ ابروئے پیوستہ ہے

زندگی ہے تو نہیں ہم دیکھ لیں گے بے نقاب
حشر کے دامن سے کس کی آرزو وابستہ ہے

نیا ارمان ہوتا تھا نئی امید ہوتی تھی
عجب دن تھے کہ اپنی عید اپنی عید ہوتی تھی

پیالے کورے کورے گورے گورے ہاتھ ساقی کے
ہماری بزم رشکِ محفلِ جمشید ہوتی تھی

وہی دن آج بھی ہے جس کی ہم خوشیاں مناتے ہیں
ہماری عید کیا وہ تو تمھاری دید ہوتی تھی

کبھی تو شوق بڑھ بڑھ کے گلے ملنا سکھاتا تھا
کبھی کچھ شرم دامنگیر کی تاکید ہوتی تھی

یہ حسن و عشق تھی جس وقت تک دنیا میں عزت ہے
مری رسمِ وفا بھی قابلِ تقلید ہوتی تھی

ہمیں وہ خط لکھا کرتے تھے پہلے کس تکلف سے
بڑا القاب ہوتا تھا بڑی تمہید ہوتی تھی

بُرا ہو بدگمانی کا الٰہی کیا زمانہ تھا
کہ اک اک بات کی سو طرح تنقید ہوتی تھی

وہی کہنا پڑا غیروں کو آخر ہم جو کہتے تھے
ہمارے قول کی اول بڑی تردید ہوتی تھی

پڑے رہتے تھے بیکر مست ہم قدموں پہ ساقی کے
کہاں کی عید کیسی عید کس کی عید ہوتی تھی

زبردستی خفا ہونا تراپے چین کرتا تھا
کبھی تو یاس ہوتی تھی کبھی امید ہوتی تھی

ادب سے شوق پابوسی جھجکتا تھا مگر کیفی
کسی کے مسکرانے سے بڑی تائید ہوتی تھی

ناز شوخی سے سوا شوخی سوا ہے ناز سے
کونسا انداز کم ہے، کون سے انداز سے

ہم یہ کہتے ہیں کوئی واقف نہ ہو اس راز سے
انکی بیجا خامشی کہہ دیتی ہے آواز سے

کھینچتا ہے کوئی کس حسرت بھری آواز سے
کون ہوگا یہ تمھیں پہچان لو انداز سے

شوخیاں کرتا ہے محفل میں عجب انداز سے
میں کہوں آہستہ کچھ تو وہ کہے آواز سے

وہ بھی دن آئیں بلائے وہ ہمیں اعزاز سے
ہم کہیں فرصت نہیں وہ بھی اسی انداز سے

دل دکھے جس بات سے میرا وہی کہتا ہے تو
ہے ترے ہمراز کی سازش مرے ہمراز سے

مارتی بھی ہے جلاتی بھی ہے تیری چشم شوخ
یہ کرشمہ ہی جدا ہے سحر سے اعجاز سے

چھوٹ کر قیدِ نفس سے شاخِ گل پر بیٹھتے
تھی امید آسنی نہ ہم کو طاقت پرواز سے

تم ملو جھک کر نہ اٹھکر ہاں مگر دل سے ملو
قدر عاشق دل ہی سے ہے نا ظاہری اعزاز سے

گر نہ یوں انکار میری عرض پر دیکھے اس طرف
کہتی ہے چشم سخن گو کچھ دبی آواز سے

کوئی ہوگا وہ جو نیرنگ فلک سے سہم جائے
ہم نہیں ڈرتے ہیں ایسے افترا پرداز سے

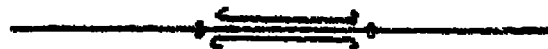
دل کسی پر کس طرح آیا کسی سے کیا کہیں
خود ہمیں واقف نہیں ہیں اب تک اپنے راز سے

کوئی دل ٹوٹا ہوا مل جائے تو اس سے سنو
آتی ہیں کیا کیا صدائیں ساز بے آواز سے

یا الٰہی درد دل میں ہے تو کیوں ظاہر ہو وہ
ہم نظر آتے ہیں ناحق نا روا نا ساز سے

جرعہ کش حافظ کا ہوں کیفی دکن میں ہوں تو کیا
چھلکے میرے جام میں آتی ہے مئے شیراز سے

حضرت کیفی سے مل کر آج ہم سمجھے کچھ اور
ورنہ سمجھے تھے کہ ہیں اک رند شاہد باز سے



تجلّیاتِ کیفی

(کیفی حیدرآبادی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل گم گشتہ کو ڈھونڈا کہیں پایا نہ گیا — وہ یہ کہتے ہیں یہاں تو کوئی آیا نہ گیا
ہائے ہم بھی کوئی انسان ہیں انسانوں میں — ہم سے روٹھا ہوا معشوق منایا نہ گیا
لطف آجائے شکایت کا اگر وہ یہ کہیں — کوئی ایسا بھی ہے عاشق جو ستایا نہ گیا
میں وہ بیمار محبت ہوں کہ اچھا نہ ہوا — میری بالیں پہ مسیحا سے بھی آیا نہ گیا
ہم سے بھی عشق کے آثار چھپائے نہ گئے — جس طرح آپ سے حسن اپنا چھپایا نہ گیا
نامہ بر نے تو کہا تھا "یہ گیا یہ آیا" — اب تک آیا نہیں کیا جانے گیا یا نہ گیا
جلوۂ ناز تو موسیٰ سے نہ تھا دور، مگر — ان سے دیکھا نہ گیا ان سے دکھایا نہ گیا
جی جلا کر وہ مرا اتنے پشیماں ہوئے — قبر پر میری چراغ ان سے جلایا نہ گیا
کیا کہوں ان سے جو آ کے یہ پوچھیں کیفیؔ — عید کا روز ہے مے خانہ سجایا نہ گیا

یہ پتا ہے مرے ٹھکانے کا — برق تنکا ہے آشیانے کا
اب ہی سامان جان جانے کا — تھا بُرا وقت دل کے آنے کا

اپنے فعلوں کے آپ ہیں مختار
کچھ اجارا نہیں زمانے کا
ہم جو روٹھے تو وہ بگڑتے ہیں
یہ نیا ڈھنگ ہی منانے کا
وہ مرے گھر میں جلوہ فرما ہوں
یہ نصیبہ غریب خانے کا
دونوں ظالم ہیں تم ہوے کہ فلک
فرق کیا ہے نئے پرانے کا
منہ پھرا کر وہ مسکراتے ہیں
یہ بھی پہلو ہے دل جلانے کا
ایسے آنے سے تو نہ آنا تھا
آتے ہی تذکرہ ہے جانے کا
جن خرابیوں میں ہے کیفی
معتقد ہوں اسی گھرانے کا
گرچہ کیفی ہے خانہ آوارہ
آدمی ہے مگر ٹھکانے کا

منہ بنائے ہوے بیٹھے ہیں بگڑنا کیسا
بات تک بھی نہیں کرتے وہ یہ لڑنا کیسا
پوچھنا ہو تو کوئی آہ یہ ہم سے پوچھے
وصل کیا چیز ہے ہوتا ہے بچھڑنا کیسا
گئی گزری ہوی باتوں کو تو اب جانے دو
حجتیں کیا ہیں یہ ہر بات پہ اڑنا کیسا

خلد میں حور یہاں شیخ کو اسلام ملا
ہر جگہ ہم کو وہی اک بت خودکام ملا
ہم سے جب راہ میں تیرا کوئی ہم نام ملا
اپنے پہلو میں نہ پھر دل ناکام ملا
سب کو اس بزم میں پیمانہ ملا جام ملا
آنکھ ہم سے بھی تو لے ساقی گلفام ملا
درد جب حد سے بڑھا ہوش ٹھکانے نہ رہے
بیقراری میں بھی اک قسم کا آرام ملا

دل میں رکھ لینے کے قابل ہے یہ داغ جگری — کہ مجھے عشق کی سرکار سے انعام ملا
اپنا خط آپ دیا ان کو، مگر یہ کہہ کر — خط تو پہچانیئے یہ خط مجھے گمنام ملا
اور بھی تو ہیں زمانے میں تمھارے عاشق — ایک میں ہی تمھیں کیا قابل الزام ملا
کس سے انصاف ستم چاہیں ہم اب جائیں کہاں — حشر میں بھی تو وہی فتنۂ ایام ملا
خلوتِ خاص میں ہے بوالہوسوں کا مجمع — بار کیفی کو نہ تا بارگہ عام ملا

کیا خبر تھی ان پہ مطلب یوں عیاں ہو جائیگا — حرف جو نکلے گا منہ سے داستاں ہو جائیگا
حال دل کس سے کہوں کیونکر کہوں یہ شک ہے — جو سنے گا داستاں ہم داستاں ہو جائیگا
آگ جب بھڑکے گی عشق خانماں برباد کی — داغ دلِ چشم و چراغ دودماں ہو جائیگا
رحم کر، ناعاقبت اندیش، ظالم رحم کر — تو بھی میرے ساتھ رسوائے جہاں ہو جائیگا
رفتہ رفتہ رنگ لائیگی مری خود رفتگی — ہوتے ہوتے میرا دامن دھجیاں ہو جائیگا
شوق کہتا ہے کہ اسکو عمر بھر دیکھا کریں — خوف کہتا ہے کہ کوئی بدگماں ہو جائیگا
یہ تو قبل از مرگ واویلا ہے اب تو چپ ہو — ناصح مشفق! جو ہونا ہے وہاں ہو جائیگا

کہیں غل سیکڑوں کا ہے کہیں بلوا ہزاروں کا — جدھر دیکھو ادھر مجمع ہے تیرے بیقراروں کا
زمانہ ناموافق دوست دشمن یار بیگانے — نہیں معلوم کیا پھیر ہے اپنے ستاروں کا
ترا آباد مے خانہ ہے، لگا ہے اک زمانہ ہو — ہمیں بھی کچھ ملے ساقی تصدق بادہ خواروں کا

ترا وعدہ ہماری زندگی دونو برابر ہیں — بھروسہ ہو نہیں سکتا کہیں بے اعتباروں کا
دل صد چاک میں ہے حسرت و ارمان گزشتہ — یہ اک گلدستہ ہے پژمردہ سا اگلی بہاروں کا
ہماری شاعری کی تو یہی غایت ہے اے کیفی — کہ جی بہلائیں اپنا اور اپنے چند یاروں کا

اے خدا تیرے سوا کون ہے بے چاروں کا — تیری رحمت ہی پہ تکیہ ہے گنہ گاروں کا
گھر سے باہر تو نکل میرے مسیحا للہ — جمگھٹا ہے ترے دروازے پہ بیماروں کا
بعد مدت کے کھلا عقدہ سرگوشی زلف — حال وہ پوچھتی ہے اپنے گرفتاروں کا
صاحب خانۂ کعبہ ہے مرے گھر مہماں — شیخ عاشق ہے مگر کعبہ کی دیواروں کا
جام پر جام پیو حضرت کیفی بے خوف — فکر کس بات کی اللہ ہے میخواروں کا

وہ فرماتے ہیں شکوہ مجھ سے سن کر — ہمارے نام پر فریاد کرنا
مزا ایسا چکھاؤں گا فلک کو — کہ مجھ کو عمر بھر تک یاد کرنا
کسی کے ہجر نے ہم کو سکھایا — تڑپنا لوٹنا فریاد کرنا
ادا کہتی ہے انکی ہم سے سیکھے — کوئی طرز ستم ایجاد کرنا
تمھیں جس وقت یاد آوے ہماری — دعائے مغفرت سے یاد کرنا
یہی کہتا گیا کیفی عدم کو — غزل پڑھ پڑھ کے ہم کو یاد کرنا

عجب عجب قسم کا الٰہی ہمارے دل نے عذاب دیکھا
نہ دن کو کم اضطراب پایا نہ شب کو آرام خواب دیکھا

جو عمر اپنی یہاں گزاری تو ہم پہ حالت کھلی یہ ساری
جو ہم نے پایا فریب پایا جو ہم نے دیکھا خراب دیکھا

کہوں میں حال اپنا کیا کسی سے یہ پیر اروتا ہے بے بسی سے
نہ بچپنے میں مزے اڑائے نہ لطف عہد شباب دیکھا

دیار الفت کے رہنے والوں کا حال کیا پوچھتے ہو ہم سے
کسی کو خانہ بدوش پایا کسی کو خانہ خراب دیکھا

جناب کیفی کا آج دیوان ہم نے دیکھا قسم خدا کی
ہر اک غزل لاجواب پائی ہر ایک شعر انتخاب دیکھا

محبت میں کیا کیا نہ کچھ جور ہوگا
ابھی کیا ہوا ہے ابھی اور ہوگا

لڑکپن میں جس کا یہ عالم ہو یارب
جوانی میں کیا جانے کیا طور ہوگا

فقط حکم کی دیر ہے میں ہوں حاضر
جو فرمائیں گے آپ فی الفور ہوگا

کسی کی در اندازیوں کا گلہ کیا
جو ہونا ہے وہ تو بہر طور ہوگا

تمھیں پیار کر کے بھلا دے جو دل سے
وہ کیفی نہ ہوگا کوئی اور ہوگا

ذکر کیا ان کی بے وفائی کا
یہ تو شیوہ ہے آشنائی کا

دوست ہے آدمی بن آئی ہے
ساتھی کب ہے کوئی برائی کا

زعم ہے آہ کو رسائی کا
اب خدا حافظ اس خدائی کا

کہاں مے خانہ تم کدھر زاہد
ہو چکا دعوی پارسائی کا

رکھا معذور تیرے کوچہ سے
ہو برا اس شکستہ پائی کا

پھر وفا کی امید کس سے کریں — جب وہ خوگر ہو بے وفائی کا
اے فلک کیا تجھے نہیں معلوم — ہے نتیجہ بُرا بُرائی کا
باتوں باتوں میں لے اڑے دل کو — ہے عجب ڈھنگ دلربائی کا
قتل ہونے کا ڈر نہیں مجھ کو — ڈر ہے لیکن تری کلائی کا
بات بن بن کے بس بگڑتی ہے — وقت آتا ہے جب بُرائی کا
میں علی کا غلام ہوں کیفی — ہے جو مشکل کشا خدائی کا

ہو نتیجہ بُرا بھلائی کا — تس پہ دعویٰ ہے آشنائی کا
کانا پھوسی سے ہو گئے بدنام — یہ مزا ہے سنی سنائی کا
او مروت کے دشمن جانی — نام لینا نہ آشنائی کا
خط تقدیر جب نہیں مٹتا — نفع کیا ایسی جبہ سائی کا
آج تیرا کرم بھی دیکھیں گے — وہ تو قصہ ہے ابن طائی کا
وصل کی شب میں آن لے ملکی — تھا عجب لطف ہاتھا پائی کا

کیا بتائیں آپ کو اے ہمنشیں دل کیا ہوا — اک بلا میں پھنس گیا اس بت پہ مائل کیا ہوا
چھپ گیا خط میں دکھلاؤ تو وہ تل کیا ہوا — کعبۂ مقصود کا وہ سنگ منزل کیا ہوا
دیکھ آنکھیں کھول کر وہ یار کس کے پاس ہے — اے رقیب رو سیہ وہ زعم باطل کیا ہوا

کوئی جنت کو کوئی دوزخ کو جاتا ہے مگر
حشر میں ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں قاتل کیا ہوا

بگڑنا ہی کسی کا تھا کہ دنیا کا چلن بگڑا
خدا سے شیخ، مے سے رند، بت سے برہمن بگڑا

زبان پند کھولی تھی کہ میخانہ کے رندوں نے
طمانچے اس قدر مارے کہ واعظ کا دہن بگڑا

لگا لائے تھے رستہ پر مگر قسمت کے کیا کہنے
کہ پھر کل بیٹھے بیٹھے ہم سے وہ نازک بدن بگڑا

بگاڑے لاکھ اپنے کو جو اچھا ہے وہ اچھا ہے
نظر آیا جمال سادگی جب بانکپن بگڑا

طبیعت مائل تہذیب یورپ ہو گئی سب کی
دکن سے تا بہ ہندوستاں مزاج برہمن بگڑا

یہ سن کر بات ناصح کی بری صحبت میں رہنے سے
کسی کا کچھ نہیں بگڑا تمہارا ہی چلن بگڑا

شرابی سارے کہتے ہیں کہ مسجد میں گیا کیفی
ارے یہ نیل بگڑی ہے کہ وہ توبہ شکن بگڑا

میری آنکھوں سے نہاں گلشن بہار نہ تھا
میں نے دیکھا کہ کسی جا گل بے خار نہ تھا

وہ بھی تنہا تھا گھر اپنا تھا ہوئی کیوں وحشت
خانۂ غیر نہ تھا کوچہ و بازار نہ تھا

میری الفت کے سبب سے ترا جوبن نکھرا
لوگ کہتے ہیں کہ تو اتنا طرحدار نہ تھا

میں تو کہتا نہیں انصاف سے آپ ہی کہہ دیں
اس سے پہلے تو کوئی آپ سے اقرار نہ تھا

اے دل پست نظر گرہی بے صبری تھی
دعوئ عشق کبھی تیرے سزاوار نہ تھا

میں انھیں دیکھتے ہی ہو گیا اچھا خاصا
وہ یہ سمجھے کہ بہانہ تھا یہ بیمار نہ تھا

داستاں سن کے جدائی کی وہ فرماتے ہیں
واقعہ یہ تو کوئی قابل اظہار نہ تھا

حسب حال دلِ مضطر ہی کسی کا مصرع
اس خطا پر مجھے مارا کہ خطاوار نہ تھا

ہم نے خم خانۂ فردوس بھی دیکھا لیکن
ایسی بھٹی نہ تھی ایسا کوئی میخوار نہ تھا

منہ نہ کھلوا جانے کیا ہو جائے گا
سب پہ ظاہر ماجرا ہو جائے گا

موت سے پہلے ہی ہم مر جائیں گے
تم خفا ہو گئے تو کیا ہو جائے گا

دولت دیدار سے کر بہرہ ور
ایک مفلس کا بھلا ہو جائے گا

مرگ عاشق کا انھیں کیونکر ہو غم
اک نہیں تو دوسرا ہو جائے گا

وہ بتِ کافر جو دل میں آ بسے
پھر تو کعبہ بھی گیا ہو جائے گا

مر گیا کیا دوست وہ مغفور تھا
خیر اللہ کو یہی منظور تھا

قتل عاشق آپ سے کیا دور تھا
پھر خدا کو یہ نہیں منظور تھا

نامہ بر تو جب وہاں پہنچا تو کیا
کچھ ہمارا ذکر یا مذکور تھا

انجام عشق کا یہ نتیجہ ہے چاہ کا
اک مشغلہ ہے شام و سحر آہ آہ کا

لکھی گئی ہے دشت نوردی نصیب میں
پرساں نہیں ہے کوئی مرے حال تباہ کا

مانا کہ خضر مرد جہاں دیدہ ہیں، مگر
کیا جانیں وہ سلوک حسینوں کی چاہ کا

افراط معصیت سے اطاعت کا یہ پھل ملا
ملتا نہیں حساب ہمارے گناہ کا

کیفیؔ شراب خانہ ہی نکلا نصیب سے
رستہ سمجھ کے آئے تھے ہم خانقاہ کا

وعدہ کسی کے آنے کا جس وقت ٹل گیا
میں تو سمجھ گیا کہ مرا دم نکل گیا

دیوانگانِ عشق کا کیا پوچھتے ہو حال
وحشت اچھل گئی کبھی سودا اچھل گیا

قطعِ امید پر نہ گیا دل کا ولولہ
رسی تو جل گئی مگر اب تک نہ بل گیا

کہنے کو تھا وہ غیر سے لے ساغرِ شراب
بے ساختہ زبان سے کیفیؔ نکل گیا

خواب میں آج کسی کا رُخِ زیبا دیکھا
میرے خالق تری قدرت کا تماشا دیکھا

بے ٹھکانوں کی نگاہوں میں رہا کرتے ہو
تم نے اپنے لئے کیا خوب ٹھکانا دیکھا

دیکھ کر مجھ کو یہ فرماتے ہیں سارے احباب
عاشقی اور محبت کا نتیجا دیکھا

دیکھنا ہم سے نظر آئیں گے لاکھوں عاشق
عمر ہی کیا ہے تری تو نے ابھی کیا دیکھا

دلِ وحشی بھی عجب ہے جدھر آیا آیا
آج تک ہم نے تو ایسا نہ ہٹیلا دیکھا

ہم جو کہتے تھے وہی بات ہوئی آخر کار
ربط غیروں سے ہی ظالم نے بڑھایا دیکھا

ہم نے اشعار بہت دیکھے ہیں کیفیؔ لیکن
آپ کا رنگ زمانے سے نرالا دیکھا

ہوا کرتا ہے اب درشن کسی کا
ہے بے پردہ رُخِ روشن کسی کا

سمائے گی بہارِ خلد کیونکر
مری آنکھوں میں ہے جوبن کسی کا

مزے کی سیر ہو گر حشر کے دن — ہمارا ہاتھ ہو دامن کسی کا
نہ بھولیں ہیں نہ بھولیں گے کبھی ہم — اٹھا کر دیکھنا چلمن کسی کا
رہے دنیا میں انساں دوست بنکر — نہ ہو یا رب کوئی دشمن کسی کا
لڑکپن میں یہ کہتی تھیں ادائیں — برا ہو گا یہ اچھا پن کسی کا
وہ بولے دیکھ کر حسرت بھرا دل — خزاں دیدہ ہے یہ گلشن کسی کا
کسی کی وصل کی درخواست کرنا — چڑھانا ناز سے چتون کسی کا
نصیحت حضرت کیفی کی سن لو — دکھاؤ دل نہ جانِ من کسی کا

خواب دوشینہ ملال انگیز و وحشت ناک تھا — غیر کا سینہ مرا دل ان کا دامن چاک تھا
خوب تھا ان کا لڑکپن ہی کہ وہ بے باک تھا — اور غیروں سے نہیں اس طرح دہشت ناک تھا
بوالہوس نے بھر دئے کانٹے ہوا و حرص کے — اس سے پہلے عشق کا رستہ بہت ہی پاک تھا
عشق صاحب کی بدولت جان کے لالے پڑے — ایسے جھگڑوں سے خدا شاہد ہے نڈباک تھا
یہ تو کہہ سکتا نہیں کس نے چرایا دل مرا — تاک میں اسکی مگر ہاں اک بت سفاک تھا
میں نہ مرتا وہ مسیحا مہرباں ہوتا اگر — زہر بھی دیتا تو میرے حق میں وہ تریاک تھا
بے کسی کہتی تھی کل رو رو کے قبرستان میں — یہ وہی ہیں جن کو پہ سول دعوئے املاک تھا
سیر کو آتے تھے اکثر اہلِ دل اہلِ نظر — صحنِ باغ حسن جب تک بے خس و خاشاک تھا
ہو غریقِ بحرِ رحمت کیفی شیریں زباں — یا الٰہی قلزمِ معنی کا وہ پیراک تھا

پھر ہرا میرے دل کا داغ ہوا — دل مرا اور باغ باغ ہوا
آج اندھیر کیوں ہے دنیا میں — کس شبستاں کا گل چراغ ہوا
کیا "خداوند" صرف کہنے سے — عرش پر آپ کا دماغ ہوا
ہائے کس وقت لیں جگر کی خبر — دل کے جھگڑوں سے کب فراغ ہوا
اور جلتے پہ تیل ڈال دیا — غیر کے گھر کا وہ چراغ ہوا

کئے ہیں ٹکڑے ٹکڑے جس کے تم نے یہ وہی دل تھا — کبھی تم جس پہ مائل تھے کبھی جو تم پہ مائل تھا
کرو قتل اور اگر پوچھے کوئی تم سے تو کہہ دینا — ہمارے ناز برداروں میں یہ بے جرم داخل تھا
بڑا احسان ہے ہم پر ہماری سخت جانی کا — کہ قاتل آج تک کہتا ہے اف کیا رقص بسمل تھا
جناب عشق سے پڑھتے تھے مجنوں اور ہم قرآں — لا ابلیف اس کا تھا درس اپنا ختم ہفت منزل تھا
ہم ان کو کر سکے اپنا: ان کے ہو رہے اغیار — خیال خام تھا ان کا ہمارا زعم باطل تھا

اچھا میں علاج آپ کا کرتا ہوں مسیحا — اچھا نہ ہوا میں تو علاج آپ کا جب کیا
پھر دل کا تقاضا ہے کہ چل اس کی گلی میں — رحم آئے ترے حال پہ اس کو تو عجب کیا
غیرت تجھے جھٹلائے گی میں کہہ نہیں سکتا — کیوں پوچھتے ہو میرا حسب کیا ہے نسب کیا
کفر سے تجھے ایمان سے اللہ اٹھائے — ہم حق سے کریں تیرے لئے اور طلب کیا

جفا اے حیلہ جو اتنی ستم اے فتنہ گر اتنا
ستاتے ہیں سبھی معشوق عاشق کو مگر اتنا؟

نمائش گاہ حسن و عشق کا پردہ ہے خود بینی
نہ ہو جب تک نظر اتنی نہیں آتا نظر اتنا

تری جانب سے جو کچھ ہو اسے سمجھیں گے ہم اچھا
خوشی ہو تو خوشی اچھی اگر غم ہو تو غم اچھا

وہ آتے ہی بگڑ جانا وہ رخصت مانگنا ہنس کر
مجھے اس قند سے معلوم ہوتا ہے وہ سم اچھا

وہ یہ کہتے ہیں کہ دیکھا نہیں بسمل ایسا
مجھ کو ہے ناز کہ میرا بھی ہے قاتل ایسا

عمر بھر کے لئے اب اس سے رہائی ہے محال
پھنس گیا زلف گرہ گیر میں کچھ دل ایسا

میں سراپا ہوں نیاز آپ سراپا انداز
ایسے کشتے کیلئے چاہیے قاتل ایسا

ناز بردار وفادار طلب گار نثار
نہ ملا ہے نہ ملے گا تمہیں پھر دل ایسا

عشق کو ایک مہم ہم نے بنا رکھی ہے
دیکھنے کو تو نہیں کام یہ مشکل ایسا

دیکھنے والوں کی پہچان نہیں ہوتی ہے نظر
بن کے بیٹھا نہ کرو تم سر محفل ایسا

درد بنکر بھی قدم اٹھ نہیں سکتے افسوس
تھک کے کچھ بیٹھ گیا ہوں سر منزل ایسا

میری دانست میں فردوس وہی ہے کیفی
ہو جہاں جلوہ نما حور شمائل ایسا

وہ یگانہ دل میں بیگانہ رہا
بن کے مہمان صاحب خانہ رہا

چشم میگوں کی ادائیں دیکھ کر
عمر بھر چکر میں پیمانہ رہا

ہم نے اپنا جان کر دی تھی جان
وہ تو بیگانے کا بیگانہ رہا

تجھ سے خالی بزم اپنی کب رہی — تو نہیں تو تیرا افسانہ رہا
تھا کبھی دل میں خیال مہ رخاں — مدتوں تک کعبہ بتخانہ رہا
مٹتے مٹتے داغ دل سے مٹ گئے — باغ آخر ہو کے ویرانہ رہا
کوئے قاتل میں چلے ہم سر کے بل — ساتھ استقلال مردانہ رہا
توبہ کر لی شیخ کی خاطر تو کیا — کیفی اپنا رنگ رندانہ رہا

بہلائے دل مرا چمن روزگار کیا — جب یار ہی نہ ہو تو خزاں کیا بہار کیا
اتنی سی بات کے لئے یہ دار و گیر کیوں — میں کیا مرے گناہ کا یارب شمار کیا
بوسوں پہ اتنی بحث یہ تکرار اتنی اڑ — جب ایک بار دیکھئے پھر لاکھ بار کیا
کل توبہ جرم عشق سے کی آج توڑ دی — اے دل وہی ہے تو ہے ترا اعتبار کیا
کیں کیسی کیسی پرورشیں کیفی آج تک — کل بھول جائے گا مرا پروردگار کیا

گر نہ ہوتا عشق تو خلاق یزداں بے سبب — ہاں نہ کرتے خلقت حضرت انساں بے سبب
کچھ نہ کچھ اسرار ہیں اس میں وگرنہ کیا سبب — روٹھتے ہیں چھوٹتے ہیں ہم سے جاناں بے سبب
بے سبب ہوتا نہیں کچھ، کچھ نہ کچھ ہو گا سبب — آسماں پر سے نہیں نکلا ہی شیطاں بے سبب
واعظا تیری نہیں سنتے ہیں ہم چپ بھی تو رہ — مغز کیوں کھاتا ہے اے مرد مسلماں بے سبب
جب تلک پڑھتے نہ کیفی شعر کوئی دل پسند — داد دیتا بھی نہیں کوئی سخنداں بے سبب

ہاتھ پھیلا کے ہم اب کرتے ہیں اک جامِ طلب — کیا بُری ہوتی ہے اے ساقیِ گلفام طلب
ایسی بےفکری سے مئے قرض کی پیتے نہیں ہم — کہ کوئی ہم سے کرے گا ہی نہیں وامِ طلب
حسنِ مطلق ہی ترا اے شہِ خوبانِ جہاں — مہر ہے صبحِ طلب اور قمر شامِ طلب
چھیڑتا ہے انھیں جلوت میں ہو یا خلوت میں — ترکِ خواہش نہیں کرتا دلِ دشنامِ طلب
شعر لکھنے کو قلم اٹھ نہیں سکتا کیفی — ہائے لب ہو گئے ہم کس قدر آرام طلب

بھول کر ان سے کہہ دیا مطلب — ہائے سب خبط ہو گیا مطلب
ہاں کئے جاؤ غیر کا شکوہ — میں سمجھتا ہوں آپ کا مطلب
بات مطلب کی سن کے فرمایا — کیا غرض ہم کو تم ہی کیا مطلب
آپ اپنی ہی گائے جاتے ہیں — کچھ سمجھتے بھی ہو مرا مطلب
خواہشِ وصل سُن کے کہنے لگے — بعد مدت کے اب کھلا مطلب
نامہ بر کر رہا ہے بات جُدی — خط سے ظاہر ہے دوسرا مطلب
لاکھ کہنے کی میں نے جرأت کی — نہ زباں سے ادا ہوا مطلب
کیوں اڑا کر بنا رہے ہو بات — مجھ کو معلوم ہو گیا مطلب
ساغرِ بادہ چاہئے کیفی! — دوسری شے سے ہم کو کیا مطلب

دستِ وحشت کے سبب ہو گئے ہیں تار تار — آستین و دامن و جیب و گریباں سب کے سب

قافیہ کیا خاک سوجھے مست ہے کیفی بہت
ایک ہی آنکھوں میں اسکی دین و دنیا ہے سب

یاد رکھو یاد کر لینا دعائے خیر سے
جب نظر آئے تمھیں مجھ سا کوئی مسکیں غریب
شرط بیداری یہ ہے ہم تم کو سناتے ہیں سنو
اک نہایت ہی عجیب قصۂ رنگیں غریب
بخش دے اس کے گنہ یارب بحق مصطفےٰ
بندۂ عاصی ہے یہ (سید رضی الدین) غریب
تیرے دروازے پہ حاضر ہے بغرض جام مے
دیر سے ساقی یہ کیفی ہے نیاز آگیں غریب

کون کہتا ہے رخ دل بر ہیں ماہ و آفتاب
ایک ادنا قدرت داور ہیں ماہ و آفتاب
یہ اسی کی روشنائی ہے نمایاں رات دن
ورنہ بیشک خاک ہیں پتھر ہیں ماہ و آفتاب
جم کو کیفی اپنے اک ہی جام پر کیا ناز تھا
میرے میخانہ کے دو ساغر ہیں ماہ و آفتاب

خنداں نظر آتے ہیں میرے زخم جگر آج
یارب ادھر آجائے کوئی رشک قمر آج
اب تک نہ ہوا بند جو میخانہ کا در آج
ساقی کا کرم حد سے زیادہ ہے مگر آج
آتے ہیں سنبھالے ہوئے وہ تیغ و تبر آج
دیکھیں گے ذرا ہم بھی رقیبوں کا جگر آج

دل بہلتا ہی نہیں بہلاؤں یارب کسطرح
چھا گئی غم کی گھٹا دل پر مرے اب کسطرح

ہجر کے دن سے فزوں ہے بیقراری رات کی
خیر دن تو جائے گا گذرے گی یہ شب کسطرح

سچ کہو تم میرے گھر آؤ گے اللہ کی قسم
کون سے دن۔ کون سی تاریخ اور کب کسطرح

جب کسی کی بھی نہیں سنتا ہے ظالم بات تک
کوئی لائے گا زباں پر حرف مطلب کسطرح

لالہ چمن میں ماہ ہے داغ آسمان پر
حاصل زمین پر نہ فراغ آسمان پر

آئینہ فلک نے لیا عکس داغِ دل
تاروں کا خوشنما ہے جو باغ آسمان پر

ہم جانتے ہیں عجز و تکبر کی راہ کو
سر ہے زمین پر تو دماغ آسمان پر

کہا یہ اس نے پڑی جب نگاہ کانٹوں پر ق
بنائی کس نے تری خوابگاہ کانٹوں پر

جواب عرض کیا ہاتھ جوڑ کر میں نے
فقیر سوتے ہیں اے بادشاہ کانٹوں پر

گلہ نہیں جو مرے پاؤں ہو گئے چھلنی
بنائی حق نے محبت کی راہ کانٹوں پر

شراب گل ہمیں دے ساقیا کہ عید ہے آج
بسر ہوئی ہے بخدا ایک ماہ کانٹوں پر

سیاہی ان کی بلا وجہ کب ہے اے بلبل
پڑا ہے صبر ترا روسیاہ کانٹوں پر

جو پھول توڑے گا کانٹے اسے چبھیں گے ضرور
نکالو آنکھیں نہ ان بے گناہ کانٹوں پر

خدا نے دی ہے اسے سلطنت گلستاں کی
بنائی گل نے جب آرام گاہ کانٹوں پر

قدم لئے مرے کانٹوں نے دشت غربت میں
گرا جو تھک کے بحال تباہ کانٹوں پر

عبث ہے صحبت اخیار تیرہ بختوں کو
ہوا نہ گل کا اثر کچھ سیاہ کانٹوں پر
امید وصل پہ اس گل کی ہم نے مدت تک
گزاری ہجر کی شام و پگاہ کانٹوں پر
حضور آپ کو کیفی سے کام ہی کیا ہے
وہ خواہ پھولوں پہ سوتا ہو خواہ کانٹوں پر

ہول ہو گی ہمیں جب قبر کی تاریکی سے
آپ آجائے شمع رخ زیبا لے کر
عرصۂ حشر میں سنتے ہی صدا آجانا
ہم پکاریں گے وہاں نام خدا کا لے کر
شکر صد شکر کہ ہم منزل مقصد پہنچے
گرتے پڑتے ہی سہی نام خدا کا لے کر

دل کیا تھا اے جگر جلا کر
حق ہمسائگی ادا کر
کچھ کہنے دیا نہ اس نے ہم کو
احسان اپنا جتا جتا کر
امید وفا بتوں سے توبہ
بندے بس بس خدا خدا کر
غیروں سے نہ ملنے کی ٹھنے گی
پچھتاؤ گے ہم کو آزما کر
باتوں میں اگر مزا نہیں ہے
پھر کرتے ہو بات کیوں چبا کر
اے جان عدو ہمارے قسم تک
ہر روز نیا ستم کیا کر
کیسا وعدہ کہاں کا اقرار
کہہ دو کوئی بات ہی بنا کر
کیفی دنیا میں سرنگوں ہے
اک دختر رز کو سر چڑھا کر

نصیحت مان بھی اے دل ہماری — نہ دستِ دامنِ اہلِ کرم چھوڑ
وہ فرماتے ہیں میرا حال سُن کر — خدارا قصۂ رنج و الم چھوڑ
نہ مل غیروں سے ہوگا مجھ پہ احساں — فقط اتنی ہی عادت کم سے کم چھوڑ
رہِ الفت سلوکِ عشق کو سیکھ — طریقِ ظلم و اندازِ ستم چھوڑ
ملے جتنی شراب اتنی پیئے جا — تو اے کیفی یہ فکرِ بیش و کم چھوڑ

کسی حسیں میں نہیں ہیں صنم ترے انداز — نئے نئے ہیں خدا کی قسم ترے انداز
تفکراتِ زمانے سے جاں بلب تھا میں — بھلا دیے مرے سب رنج و غم ترے انداز
خدا بچائے مرے یار چشمِ بد سے تجھے — غضب کرشمے ہیں تیرے ستم ترے انداز
مگر شعور کہاں چرخِ سفلہ پرور کو — اگرچہ سیکھے ہیں کچھ بیش و کم ترے انداز
کبھی ملول کبھی شاد شاد رہتا ہے — اڑائے ہیں مرے دل نے صنم ترے انداز
کہاں یہ تاب زباں میں یہ وصفِ ناز لکھے — مجال کیا ہے جو لکھے قلم ترے انداز

روشن ہے مرے گھر میں چراغِ پرِ طاؤس — وہ گھر کہ جہاں باغ ہے داغِ پرِ طاؤس
واعظ ترے کہنے سے محبت نہیں جاتی — صرصر سے کہاں گل ہو چراغِ پرِ طاؤس
داغِ ستم و جبر کی پروا نہ کر اے دل — جیسے کہ نہیں زشت ہیں داغِ پرِ طاؤس
کم ظرف حسیں ہوتے ہیں گستاخ بلا کے — طاؤس سے بڑھ کر ہے دماغِ پرِ طاؤس

پیرِ مغاں کا گرم ہے دربارِ خاص و عام
آئیں شراب خانے میں میخوار خاص و عام

چھوڑو خدا کے واسطے یہ لن ترانیاں
رکھتے ہیں دل میں حسرتِ دیدار خاص و عام

تھا وہ بھی ایک وقت کہ واقف نہ تھا کوئی
اب جانتے ہیں حالِ دلِ زار خاص و عام

تیور بدلتے آؤ ذرا مقتل گاہ میں
ہیں تم پہ جان دینے کو تیار خاص و عام

کہتا ہے ماہ کوئی انھیں ماہوش کوئی
کرتے ہیں روز رات کو تکرار خاص و عام

یوں بکھرتے نہ جو وہ عارض و کاکل باہم
خار اور تاب نہ کھاتے گل و سنبل باہم

نفرتِ دولتِ دنیا و تمنائے بتاں
میرے دل میں ہے مگر حرص و توکل باہم

چھوڑ کر مجھ کو اکیلا قفسِ وحشت میں
چل دئے ہوش و خرد صبر و تحمل باہم

ایک سے ایک زیادہ مجھے دق کرتے ہیں
شرط کر بیٹھے ہیں کیا جور و تغافل باہم

دور پر دور پلا فصل پلا دے ساقی!
تا قیامت رہے یہ دور و تسلسل باہم

دل اڑا لیتے ہو پھر بھول بھی جاتے ہو صنم
آپ کے پاس ہے چستی و تجاہل باہم

بانٹ لیتے ہیں مرے پاس سے لیکر کیفی
اہلِ دنیا یہ تبختر یہ تحمل باہم

اے جواں تجھ میں قیامت تک وفا آتی نہیں
ہے مثل بچپن کی عادت عمر بھر جاتی نہیں

آزما لو ظاہر و باطن ہمارا ایک ہے
آپ کی سی ہم کو منہ دیکھے کی بات آتی نہیں

ایسے وہ انجان بن بیٹھے تھے ہم سے ایک دن
جیسے ساری عمر کا اپنا ملاقاتی نہیں

دونوں سے واقف ہے بندہ حیدرآبادی بھی
کوئی وحشی و بیابانی و دیہاتی نہیں

آدمی سے آدمی کو خوف ہو کس بات کا
وہ رقیب روسیاہ کچھ دیو یا ہاتی نہیں

بےوفاؤں سے وفا کی آرزو کرتے ہوئے
اے دل بدبخت تجھ کو شرم بھی آتی نہیں

ایسی ایسی ہم نے دیکھی ہیں ادائیں سیکڑوں
اے فلک ہم کو تری بوڑھی ادا بھاتی نہیں

غم نہ کھائیں تو بھلا کیا خاک کھائیں اے صنم
تیرے کوچے کی کبھی اب ہم تک ہوا آتی نہیں

کیفی بہست آں قدح بشکست و آں ساقی نماند
حیف ہے اس دور میں یار حرا باقی نہیں

اس قدر تڑپا نہ ہم کو او بت دکنی نژاد
ورنہ ہو جائے گا تو مشہور جلادِ دکن

کیوں نہ بن جائے سلیماں یاں ہر اک مور ضعیف
ہے نظام الملک آصف جاہ جوادِ دکن

حسنِ یوسف کوڑیوں کے مول بکتا ہے یہاں
معجزہ داؤد کا رکھتا ہے حدادِ دکن

ورد ہے کروبیانِ عالمِ بالا کا یہ
یا خدا قائم رہے تا حشر بنیادِ دکن

چار مینار ا ہے رشک قصر فردوسِ بریں
روکش طوبیٰ و سدرہ سرو شمشادِ دکن

ہو مبارک زاہدوں کو خانۂ جام طہور
اپنا مے خانہ ہے کیفی حیدرآباد دکن

لوگ کیوں کہتے ہیں ان آنکھوں کو بیمار آنکھیں
یہ بھلی چنگی دغا باز ہیں عیار آنکھیں

دیکھتا جا اسے دم بھر کے لئے بہرِ خدا
پھیرتا ہے او مسیحا ترا بیمار آنکھیں

تیرے آنے کی خبر جب سے یہاں آئی ہے
بن گئے ہیں ہمہ تن سب در و دیوار آنکھیں

کہیں باطل نہو دعویٰ تری یکتائی کا
آئینے سے بھی نہ کرنا مری جاں چار آنکھیں

بے عوض چاہتی ہے دل تری چشم میگوں
مفت کے مال پہ ہے لال کیو ایے یار آنکھیں

وصل کی صبح کا آنکھوں میں سماں ہے شاید
شرم کے مارے وہ کرتے نہیں اب چار آنکھیں

رنگ لائے گا تلون ترا اے شعبدہ گر
لال پیلی تو ہوا کرتی ہیں ہر بار آنکھیں

بزم اغیار میں جب ذکر ترا آتا ہے
ڈبڈبا کر یوں ہی رہجاتی ہیں ہر بار آنکھیں

کیفی آنکھوں میں حسینوں کے رہا کرتے ہیں
اس لئے ان کی ہوا کرتی ہیں بیمار آنکھیں

ہرگز نہ پائے گا کوئی ڈھونڈے ہزار میں
جو بات ہے ہمارے کسی گلعذار میں

واعظ خدا کی مار ہو تجھ پر یہ کیا کہا
توبہ کریں شراب سے فصلِ بہار میں

الٰہی عشق کی خاطر کریں کیا
جئیں ہم یا مریں آخر کریں کیا

ادھر یہ ضد کہ حال اپنا نہ بولے
ادھر یہ شرم۔ ہم ظاہر کریں کیا

ہوا سچ بول کر بدنام کیفی
نہ بولیں جھوٹ تو شاعر کریں کیا

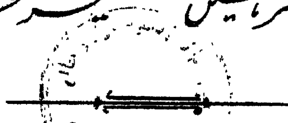
کیفی اڑائے جاؤ شراب اس کی یاد میں
یہ کر رہے ہیں آپ غمِ ماسوا عبث

مل جائیگا کبھی نہ کبھی اپنا مُدعا
لے دستِ آرزو تو نہ دامانِ یار چھوڑ

دل میں کینہ ہے کسی کا نہ کسی کا اخلاص
دوست دشمن سے برابر ہی ہمارا اخلاص

کس طرح دل میں سمائے ہو تم اللہ اللہ
لوگ کہتے ہیں کہ ہوتا ہی خدا کا گھر دل
دل انھیں دیکے تو اتنا ہے پشیماں کیفیؔ
جان دینے کو مرے یار بڑھے کیونکر دل

وصل کیا حسرتِ وصال تو ہو
تو نہ ہو تو ترا خیال تو ہو
تم اگر آفتابِ حشر نہیں
نیرِ محشر خیال تو ہو



جامع کی اور کتابیں

کلام کیفی - حضرت کیفی حیدر آبادی کے تاریخی - اخلاقی اور ادبی کلام کا مجموعہ تین حصوں میں پہلا حصہ غزلیات - دوسرا نظمیات - تیسرا متفرقات لکھائی چھپائی بہت اچھی - قیمت ۸ ر - یہ وہ مجموعہ کلام ہے جس کا اصحاب ذوق کو برسوں سے انتظار تھا اور طبع ہونے کے بعد جس کا نہایت شوق سے خیر مقدم کیا گیا صرف پہلے ہفتے میں اس کے چار سو نسخے ہاتوں ہاتھ فروخت ہو گئے - ہندوستان کے رسائل نے اس پر بہت عمدہ ریویو لکھے ہندوستان کا سب سے بڑا اور معتبر رسالہ **اردو** (اورنگ آباد) کلام کیفی پر ریویو کرتا ہوا لکھتا ہے :-

"سید رضی الدین کیفی حیدر آبادی کا متفرق کلام ان کے ایک قدردان دوست محمد سردار علی صاحب مؤلف تذکرۂ شعرائے اورنگ آباد (دکن) نے مع ایک دیباچہ کے چھپوا کر شائع کیا ہے اس میں کیا شک ہے کہ وہ حیدر آباد کے شاعروں میں ایک نامور شاعر تھے اور اپنے ہمعصروں میں انھوں نے ممتاز حیثیت پیدا کر لی تھی ان کا کلام ہی خود کہہ رہا ہے - کیفی ابتدا میں سالک تھانوی کے شاگردوں میں تھے ان کی وفات کے بعد فصیح الملک مرزا داغ مرحوم سے جن کو زبان کے

اعتبار سے ہندوستان کا بہا شاعر کہنا چاہیئے تلمذ کا فخر حاصل ہوا گو یہ فخر
ان کو داغ مرحوم کے آخری دور حیات میں نصیب ہوا اور بہت کم اصلاح کلام
اور مشورہ سخن کی نوبت پہنچی تھی کہ استاد نے کوچ کا نقارہ بجا دیا اور اپنے نو مشق
تلامذہ کو تشنہ کام چھوڑ کر شہر خموشاں کا رستہ لیا لیکن اس جوہر قابل کے لئے استاد
کامل کی دو چار صحبتیں ہی غنیمت ثابت ہوئیں اگلی پچھلی مشق نے معاملہ بندی روانی
سلاست اور کسی قدر زبان کی چاشنی ان کے کلام میں پیدا کر دی اب ان کے
نمکین اشعار میں صاف نظر آتا ہے کہ میکش کا کیف کافور ہو کر کوئی دوسری ہی
ملاحت آگئی ہے اور ان کے بعض اشعار کی شیرینی اس قیرنی کا مزہ دیجاتی ہے،
جس میں کسی قدر داغ لگ گیا ہو جس کو ارباب ذوق بہت پسند کرتے ہیں
اس میں کچھ حصہ غزلوں کا ہے اور کچھ اخلاقی اور قومی نظموں کا بہرحال کیفی کی
شاعری کا نشو ونما جس ماحول میں ہوا اس کے لحاظ سے ان کا مجموعۂ اشعار بہت کچھ
قابل تحسین و آفرین ہے۔ (اردو۔ جولائی ۱۹۲۷ء)

بہت کم نسخے رہ گئے ہیں ارباب ذوق کو چاہیئے کہ اس کی خریداری کی طرف جلد متوجہ ہوں
ورنہ موجودہ اسٹاک بہت جلد ختم ہو جائیگا اور پھر طبع دوم کا انتظار کرنا پڑے گا۔

نظم کیفی ۔حضرت کیفی مرحوم کی تاریخی۔ اخلاقی۔ قومی و ادبی معرکۃ الآرا نظموں کا
مجموعہ۔ کیفی مرحوم نے آخر عمر میں قومی نظموں کی طرف توجہ کی تھی اور اس میں خاص اثر
اور دلکشی پیدا کی تھی حیدر آباد کے قومی علمی اور تعلیمی جلسے کیفی کی نظموں کے بغیر پھیکے معلوم ہوتے تھے

اس خصوص میں آپ کو دکن کا حالی کہا جائے تو بجا ہے اسکی نظمیں کلام کیفی کی نظموں سے بالکل الگ ہیں لکھائی چھپائی بہت اچھی ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ قیمت (۴ر)

حیات کیفی ۔حضرت کیفی مرحوم کے حالات زندگی نفیس طباعت ۔قیمت (۲ر)

تذکرہ یورپین شعرائے اردو ۔ انگریز ۔ فرانسیسی اور پرتگیزی شعرائے اردو کے صحیح حالات اور ان کے اردو کلام کے نمونے ۔اردو میں یہ ایک نئی چیز ہے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ یورپین بھی اردو کے شاعر تھے ان کا کوئی خاص تذکرہ نہ تھا البتہ کچھ کچھ حالات شعرائے اردو کے تذکروں میں ملتے ہیں ۔ اردو کے تیرہ اسّی تذکروں کی ورق گردانی سے ان کے حالات اور کلام یکجا کیا گیا ہے ۔اردو رسائل نے اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے چنانچہ لکھنؤ کا رسالہ "نظر" لکھتا ہے :۔

کیا یہ اردو کی ترقی نہیں کہ ایک قوم فاتح کی حیثیت سے ہندوستان میں داخل ہوتی ہے مگر یہ نومولود زبان اپنی رعنائیوں اور زیبائیوں سے اس قوم کو اس قدر متاثر کرتی ہے کہ اس کے افراد اس زبان کو سیکھنے کے علاوہ اس میں شاعری بھی کرنے لگتے ہیں ۔آج تک کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ کتنے یورپین شعراء اردو گزرے ہیں مگر مولوی سردار علی صاحب قابل تشکر ہیں کہ انھوں نے سلسلۂ ناشرات کتبخانۂ مسجد چوک کے تحت ایک تذکرہ شائع کردیا جس میں ان شعراء کے حالات اور نمونۂ کلام ہے شروع میں ایک پُرمغز اور کارآمد دیباچہ بھی ہے ۔ (نظر لکھنؤ ۔ مارچ ۱۹۲۷ء)

لکھائی چھپائی نہایت نفیس ٹائیٹل دیدہ زیب ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ قیمت (۸ر)

شعرائے اورنگ آباد ۔ اورنگ آباد (دکن) کے قدیم شعرائے اردو کے حالات اوران کے کلام کے نمونے ۔ اس کے متعلق رسالۂ "نظر" لکھتا ہے۔

"اورنگ آباد ایک مشہور جگہ ہے اور پھر عالمگیر نے اس کو کچھ ایسے وقت میں آباد کیا کہ خدا کے فضل وکرم سے ابتک آباد ہے دکن میں شاعری کا جنم بھوم یہی ہے ولی آزاد وغیرہ بڑے بڑے شاعر یہیں کے ہیں مولوی سردار علی صاحب نے ۷۰ شعرائے اردو کے صحیح حالات اور کلام کے نمونے شائع کئے ہیں یہ بھی اپنی نوعیت کی بالکل پہلی چیز ہے اس طرح اگر ہر ایک صوبہ کے شعراء کا کلام مرتب ہو جائے تو یقیناً آئندہ تذکرہ لکھنے والوں کو سہولت ہوگی۔"

سائز طباعت کاغذ نہایت عمدہ سرورق رنگین ومصوّر ۔ ۔ قیمت (۶)

آثار حیدر آباد ۔ حیدر آباد کے آثار قدیمہ کی تاریخ جو چار ابواب پر منقسم ہے ۱ پہلا باب عمارات بلدہ ومضافات ۲ دوسرا باب عمارات قلعہ گولکنڈہ ومضافات ۳ تیسرا باب مزارات بلدہ ومضافات ۔ ۴ چوتھا باب مآثر عثمانی ۔ چوتھے باب میں ان تمام عمارات کا جو دورِ عثمانی کی یادگار ہیں ضمناً دورِ عثمانی کے دیگر کارناموں کا بھی تذکرہ درج ہے نفیس کتابت وطباعت کے ساتھ عنقریب شائع ہوگی ۔

مشاہیر اردو (دو حصے) اردو کے تمام مشہور شعراء ونثر نگار مصنفین کا تذکرہ بطرز لغت بترتیب حروف تہجی حصہ اول ردیف الف سے ش تک حصہ ۲ دوم ردیف ص سے ی تک ۔ دو کالم میں نہایت نفیس کتابت وطباعت کے ساتھ زیر طبع ہے ۔

تذکرۂ بابر ۔ محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ غازی کی سوانح عمری مولفہ عالیجناب نواب صدر یار جنگ بہادر اس کے متعلق رسالہ اردو کی رائے ملاحظہ ہو۔

چالیس برس ہونے کو آتے ہیں کہ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) نے یہ مضمون لکھا تھا جو حیدرآباد کے مشہور رسالے "حسن" میں شائع ہوا تھا اور ان مضامین میں شمار ہوا جن پر ایک اشرفی انعام دیجاتی تھی۔ بابر اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے مغلیہ خاندان میں ایک عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے فاضل مؤلف نے کتب تاریخ کے مطالعہ کے بعد یہ مضمون لکھا ہے۔ علاوہ تاریخی معلومات کے جس انداز سے یہ مضمون لکھا گیا ہے (جو مولانا کا خاص طرز ہے) وہ بہت قابل داد ہے مولانا کی تحریر میں جو ادبی شان اور ایک بانکپن پایا جاتا ہے وہ اس میں بھی صاف نظر آتا ہے (اردو بابتہ جولائی ۲۷ ۱۹ء)

لکھائی چھپائی نہایت نفیس ۔ کاغذ عمدہ ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت (۱؍)